

”حدیث دل“

ایک غیر مسلم کا ہدیہ عقیدت بحضور سرور دو عالم ﷺ

”ایک صاحب کمال آیا، جس نے جلوۂ حق دکھایا، جس کسی نے اسے پریم کی آنکھوں سے دیکھا، اس کی تمنائے زندگی پوری ہو گئی، جس کی نگاہ شوق اس پر پڑی اسے منہ مانگی مراد مل گئی، جس بشر کو اس من موبہن نے اپنا درشن دیا، اس کے جنم بھر کا پاپ کٹ گیا۔“ (رسول عربی ﷺ، ص ۱۰، جی سکھو دارا)

انتساب

سرورِ عالم ﷺ کے نام جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا، اسی بنا پر حضرت مسیحی علیہ السلام نے آقا و جہاں احمد مصطفیٰ محمد مختبلی علیہ السلام کی ”خوشخبری و بشارت“ دیتے ہوئے آئندہ تمام انسانیت کے لیے ”وصیت“ فرمائی تھی، کہ:

”لیکن جب وہ یعنی روح الحق آئے گا تو وہ ساری سچائی کیلئے تمہاری ہدایت کرے گا۔“ (مقدس پندناہ باب ۶ آیت ۱۳)

سرحدی لو تھرن چرچ مردان کے بشپ پنیر مجید کا خط نو مسلم خالد محمود کے نام
محترم جناب خالد محمود صاحب!

خداوند کی ساتھی آپ کے ساتھ ہو (تاکہ آپ راہ حق کو پہچان سکیں اور حیات ابدی
کے وارث بن سکیں)!

آپ کی تالیف کردہ کتاب ”اسلام، عیسائیت اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام“ مجھے گزشتہ
سال ملی لیکن اپنی تعلیمی سرگرمیوں کی بناء پر میں اس کا مطالعہ نہ کر سکا۔ اب تعلیم مکمل
کرنے کے بعد میں نے اس کتاب کا مطالعہ بڑی جھجھکی سے کیا ہے اور اس نتیجہ پر
رسائی حاصل کی ہے کہ آپ کو ایک عدد خط تحریر کیا جائے۔

آپ جناب نے کم ظرفی کا اعلیٰ ترین ثبوت دیتے ہوئے محترم جناب پادری شمعون
ناصر کے خط کا جواب بڑے ہی بھونٹے، عجیب اور خطا کے حامل متن سے کوسوں دور
اپنی اس تالیف کردہ کتاب میں دیا ہے۔ پادری شمعون ناصر نے انتہائی خوبصورتی اور
دلیری سے آپ کے پیچھے ہوئے پمفلٹ یا کتابچے (یعنی [www.dhammadownload.com](#) پر ان خود) کے
جواب میں آپ کے لئے قبول کردہ مذہب اسلام اور مسلم طرز حیات فی دورہ جدید کی
حقیقت کو غیاں کیا ہے، گو کہ آپ نے اس خط کا جواب تالیف کیا یا محمود اشرف عثمانی
صاحب سے کر دیا، کیوں کہ آپ کے ماضی میں اگر جھٹکا جائے تو آپ اس لائق نہیں
کہ آپ اس انداز تحریر جو کہ اسلام، عیسائیت اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام میں ہے کو تحریر
کر سکیں، کیوں کہ یہ انداز تحریر خالد شافعی یا قابل مولوی صاحبان یا پیدائشی اور تعلیم
یافتہ مسلمان افراد استعمال کر سکتے ہیں۔ بحر حال آپ کی منافقت کی حقیقت کو جانتے
ہوئے بھی ہم اس کو آپ کا دل رکھنے کے لیے آپ کی تالیف تسلیم کرتے ہیں۔ چند

الحفاظ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، جبکہ جواب آپ جناب یقیناً سطر بہ سطر یا کوئی نئی کتاب تالیف کریں گے یا کرائیں گے میں دین گے۔ اگر آپ نے یہ سب سبقت لیا تو یہاں کا نیکو خطاب آپ ضرور سبقت لے سکتے تھے، لیکن آپ کی مسیحیت سے ناواقفیت کا ثبوت ہی آپ کا خالد محمود ہونا ہے۔ جس کا اظہار آپ نے خود اعلیٰ الحفاظ میں کیا ہے، کہ میں سیاہ کا داؤد نا کھرہ چٹھس تھا۔ جہاں تک انیلا (فارقلیط) کی بات آپ نے کی ہے تو عرض جناب یہ ہے کہ مولانا کی انوی یا مولانا قلی عثمانی یا دیگر اسلامی دانشور حضرات اس نقطہ کو بڑی ہی منافقت اور عیاری سے اپنے ہی جیسے میں اور اپنے ہی نظر کی لباس میں لپیٹ کر دے ہوئے پیش کرتے ہیں۔ اس لیے کلوڈش آپ سے یہ ہے کہ سابق پوئلک کلموں صاحب آپ خود اس نقطہ کی حقیقت کو اسلامی رجحان سے مت کر اور تقیسی سمندر میں خود کو دینی کرتے ہوئے تحقیق و تفسیر کی روشنی میں اس نقطہ کی اصل، حقیقت، ماحول تک رسائی حاصل کریں اور صرف (اسلام اور یسائیت اور اخبار الحق) پر ہی غمید نہ کریں تاکہ آپ پر چائی تکلیف ہو اور بے مقصد اور فضول، لیکن سے آپ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو روح القدس کی جگہ دینا چاہتے ہیں۔ تو ساتھ ہی آپ نے اپنے نئے مذہب کی اصل روح بھی عیاں کر دی ہے کہ آپ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے غلاموں کے غلام ہیں، لیکن ان کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام اپنے لوگوں کو غلام نہیں بناتے اور نہ ہی بنانا چاہتے ہیں۔

استفسار: آپ نے کتاب کی ضخامت اور قیمت کو بڑھنے کے لیے آپ جناب نے ایس کے داس کی کتاب "تاریخ کلیسیا" کو پورا نہیں تو کم از کم آدھے سے زیادہ اپنی تالیف میں انہماکی عمدہ اور شاندار طریقے سے لکھ ڈالا ہے۔

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات و سوالات۔ جناب سادات یکتا
 کہندہ حسب آگیا آپ نے اسلامی تاریخ میں یہ نہیں بڑھا کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ
 وسلم) تمام عمر ایسا ہی کرتے رہے کہ جس قوم کی تلاش میں نکلتے اور اسے کمزور پایا تو ان
 کے ساتھ فلاح و کائنات لیا اور تمام مال چھین کر ان کے آدمیوں میں سے جہاں تک ممکن ہو سکا
 قتل کیا، اور بڑے زبردست پایا، اس سے وہ بگڑ گئے اور پیچھے پھیر بھاگ گئے۔ حضرت
 محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی ذات سے ۳۶ لڑائیاں لڑے اور چار سو جوراتوں کو لٹکتے
 تھے، یہو اور جود کو بھرتے تھے اور وہ جسے ہوا لڑائیوں میں ہوئے اور آشت و خون بہا وہ
 اس سے مل گیا۔ تو بھروسہ اس طرح امن و سلامتی کے پیدا ہو سکتے ہیں۔

کیا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کردہ آدمی کی طرف سے رحمت و مہربانی سے
 معیشت ہوئے؟

کیا انہوں کو یہ سب دیتا ہے کہ وہ لوٹ کر میں اور لوگوں کا مال چھیننے کو راہوں پر چاکیں
 اور گھیر لیں؟

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کون سی ایسی بات تھاقوں اور راہروں کے لیے
 چھوڑ رکھی تھی؟

یہ ایسے سوالات ہیں جو کہ اسلام کی اصل تعمیر کو ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں اور جو لوگ
 آپ کی طرح بنے رہے یا نہ سب اختیار کرتے ہیں ان کو ان کمزور اسلامی اقتدار کا تو چھو
 علم ہی نہیں ہوتا۔ ہم جیسے عالم دین یا سبکی ان باتوں کو اس لیے منظر عام پر نہیں لاتے کہ
 ہم امن پسند ہیں جیسا کہ ہمارے رسول اللہ نے فرمایا اور ہم کسی قسم کا فساد نہیں چاہتے۔
 قرآن کی حقیقت متوانہیں: آپ نے جناب یعنی ﷺ کی مصلویت کو

اپنی بیان کردہ قرآن کے مطابق، کبھی عقیدہ کفارہ بلکہ نجات کے واحد راستے سے اور
سچائی سے روپوش ہے۔ میرے اس خط سے یقیناً آپ کا اسلام تو خطرے میں پڑ
جائے گا، اور یقیناً عدالتوں کی گھنٹیاں بھی بجنے لگے گی۔ لیکن انجیل مقدس میں لکھا ہوا
ہے ”جان دینے تک وفادار رہ تو میں تجھے زندگی کا تاج دوں گا“ (مکاشفہ ۱۰: ۴)۔
آپ بہاب نے انتہائی دانشمندی اور پوشیدہ انداز میں (اسلام کے خلاف یہ منشاٹوں پر
عدالتوں سے رجوع کو دین اسلام کی تعلیم کا بہترین اصول اور ضابطہ کہہ کر) دھمکی بھی
دے دی ہے اور اسکے میں منظر میں C-295 کا بے ایمانہ اور غلط قانون ہے۔
پاکستان میں اقلیتوں اور بالخصوص مسیحیوں کیساتھ نا انصافیوں کا انتہائی منحوس، کالا اور
ازہیت ناک قانون کا بنایا جا رہا ہے، درحقیقت اسلام کی مذہبی اقدار کا انتہائی کمزور ہونا ہے،
کیوں کہ اگر اقلیتوں کو مکمل تبلیغی مراکز میں کی اجازت دے دی گئی تو آپ کے بچے کچھ
نہیں رہے گا۔ اس لیے آپ حضرات فکر مند اور پریشان ہی کیوں کہ آپ اپنی اندرونی
کیفیت سے بہتر بنی باتیں ہیں، اس لیے آپ بھی لکھی ہوئی اقدار (C-295) سے
اقلیتوں (بالخصوص مسیحیوں) کو تعصب، رنج و مل کا شکار نہ بنا کر اپنی کمزور اسلامی اقدار
کو ملک پاکستان میں محفوظ رکھئے ہوئے ہیں۔

مذہبی جنون C-295 یعنی گستاخ رسول کے کالے قانون کا استعمال آج تک
مسلمان بھائیوں نے صرف اپنے ذاتی و کاروباری رقابتوں اور اقلیتی بھائیوں کی ترقی کو
تشری میں تبدیل کرنے کے لیے استعمال کیا ہے، جس کو بڑی و کاری و چارنی سے اور
مذہبی جنون و جوش کا نام دے کر، مسلمان بھائی اقلیتوں (بالخصوص مسیحیوں) کا قلع قمع
کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ کیوں کہ بقول آپ کے یورپین ممالک میں بھی ایسے

قوانین ہیں، لیکن آج تک وہاں کسی مسلمان سے ذاتی دشمنی کے لیے ان قوانین کا استعمال کی مثال نہیں ملتی یقیناً یورپ میں اخلاقی آزادی اور سیکولرزم کے نام پر نبھانے کیا کیا ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود ان کی ہر میدان میں کامیابی اور ترقی کسی سے پوشیدہ نہیں اس کی بنیادی وجہ ان کی مذہبی اقدار کی مضبوطی ہے، جس کو سپارڈینے کے لیے C-295 جیسے کالے قوانین اور جیسا کہ یوں کی ضرورت نہیں جیسا کہ اس ملک میں ہے۔

اس لیے جناب سابق پرنس کندن صاحب اگر واقعی آپ کو تبلیغ کرنے کا شوق ہے تو بات کرنے کے ساتھ سننے کا حوصلہ بھی رکھیں اور اس بات کو یاد رکھیں کہ ...

”تو کیوں اپنے بھائی کی آنکھ کے ٹکے کو دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کے شہتر پر غور نہیں کرتا؟ اور جب تیری ہی آنکھ میں شہتر ہے تو تو اپنے بھائی سے کیوں کر کہہ سکتا ہے کہ اتیری آنکھ میں سے نکال دوں؟“ اے ریا کار پہلے اپنی آنکھ میں شہتر نکال پھر اپنے بھائی کی آنکھ میں سے جیسے کو اچھی طرح دیکھ کر نکال سکے گا۔“ (متی ۷: ۳-۵)

آپ اور آپ کے مدارس: اس ملک میں دینی مدارس اور اداروں کا فرض اور فعل یہ ہونا چاہیے تھا کہ وہ کمزور اسلامی اقدار کو بڑھا کٹنے کے لیے خود کو فی ضابطہ حیات و وجود میں لائے تاکہ اس اور سلامتی کی جانب یہ ملک کا مزاج ہوتا لیکن اس کے برعکس یہ مدارس و ادارے اقلیتوں اور بالخصوص مسیحیوں کے خلاف تعصب کو جو اوہنے والی بھرپور کتب کو تحریر کرنے اور فتاویٰ کو پھیلاسنے والا جہاد کا فلسفہ و جذبہ عوام میں غلط طریقے سے ابھارنے میں اپنی ساری توانیاں صرف کرنے میں مصروف ہیں جو کہ درحقیقت اسلام کے واضح پہلوؤں اور آئین کے عین مطابق ہے۔

آخر میں امید ہے کہ آپ جناب وسعت دل سے اس کڑے خط کی سچائیوں کو قبول

کرتے ہوئے اور اس خط کو کواٹرمین اگٹھان دلانے کے لیے ذمہ دار نہ کر کے دلائے
میرے منظر سے کی دعوت کو قبول کریں، جو شک آپ کو اپنی مرضی کے مطابق وقت اور
مقام کا تعین کریں اس مناظرے میں مکمل مذہبی کے ساتھ دلائل بائبل کی اجماع سے
بھرا کر براہ بروا کرتے ہوئے آپ چاہیں گے واقعی بنویں جو کہ شہد کو آزاد کرانے کی،
دوسری صورت میں آپ میرے ای میل یا ویب سائٹ پر میرے ساتھ رابطہ کر سکتے
ہیں تاکہ ہم غصہ کی گفتگو یہاں سے نجات حاصل کرتے ہوئے اور C-295 سے
کالے قوانین کا خاتمہ کے لیے ملکر آواز اٹھائیں اور ایک دوسرے کے مذہب کی
محبت کرتے ہوئے مذہبی ہم آہنگی کو فروغ دیں اور اس ملک میں اقلیت اور اکثریت
میں مل کر ہمیں اس طرح پر بھائیوں کی طرح دیکھیں اور دوسروں کے لیے ایک مثال بنیں۔

بشپ پیٹر مجید

مارڈان ڈائیوسیس مردان چرچ آف پاکستان

ای میل: info@northerndiocesemardan.org

ویب سائٹ: www.northerndiocesemardan.org

پوسٹل ایڈریس: سرحد کی لو تھراں چرچ مردان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

التماس

محرز قارئین! بشپ پتیر مجید کا خط آپ پڑھ چکے، اب ملاحظہ ہو میری التماس،
اور وہ یہ کہ.....

جورجی ۱۹۹۵ء کے شروع میں ماہنامہ ”محقق“ (لاہور) کے مدیر اعلیٰ جناب کرمل
(ر) محمد ایوب خان صاحب نے اپنا تحریر کردہ کتابچہ بنام ”عیسیٰ علیہ السلام بزبان خود“
کے چند نسخے میرے نام اس غرض سے روانہ کئے تھے، کہ بحیثیت نو مسلم میں اس کتابچہ
کی کاپیاں جان پہچان رکھنے والے مسیحی لوگوں میں تبلیغی امداد پر تقسیم کر دوں، چھتیس
صفحات پر مشتمل مذکورہ کتابچہ ردِ عیسائیت پر مختلف عنوانات پر اجمالی حیثیت سے ایک
اچھی اور عام فہم تحریر ہے۔ لہذا میں نے جان پہچان رکھنے والے مسیحیوں اور پاکستان
میں کراچی کی سطح پر کام کرنے والے ان عیسائی مشنری اداروں کو بھی یہ کتابچہ بذریعہ
ڈاک روانہ کر دیا، جن کو یہ احقر جانتا ہے۔

اس کتابچہ کی کچھ کاپیاں بچیں، تو کراچی میں عیسائیت کی تبلیغ کرنے والے چند
عیسائی پادری جو مشنری بھی ہیں، ان کو بھی بذریعہ ڈاک یہ کتابچہ بھیج دیا، اس نیت کے
ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہدایت کی راہ کسی کو بھی دکھا سکتا ہے، چنانچہ جن عیسائی پادریوں کو یہ
کتابچہ بھیجا گیا تھا، چند دنوں بعد ان میں سے ایک عیسائی پادری شمعون ناصر صاحب
نے اس کتابچہ کے جواب میں دین اسلام اور اہل اسلام پر اعتراضات کرتے ہوئے

ایک خط میرے نام روانہ کیا۔

پادری شمعون ناصر کا خط پڑھکر دل میں تحریک پیدا ہوئی، کہ اس کا جواب لکھا جائے، چنانچہ انیس ۱۹ صفحات پر موصوف کے خط کا جواب لکھا، اور اس جواب کو لے کر حضرت مولانا اسلم شیخ پوری صاحب زید مجدہم کی خدمت میں پیش ہوا، تو انھوں نے ”ماہ نامہ الاشرف“ (کراچی) میں میرے ان انیس ۱۹ صفحات کے اس جواب کو ”ایک پادری کے خط کا جواب ایک موسم کے قلم سے“ کے زیر عنوان دو قسطوں میں شائع کر دیا، مگر میرے دل میں خواہش رہی، کہ پادری شمعون ناصر صاحب کے خط کا جواب مزید تفصیلی لکھوں، لہذا محض اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ”اسلام، عیسائیت اور سیدنا عیسیٰ“ کے زیر عنوان پادری شمعون ناصر کے خط کا تفصیلی جواب لکھا، جو پہلے جامعہ قاروقیہ کے ترجمان ”انوارِ حق“ میں قسط وار شائع ہوتا رہا، اور اس کے بعد ”اسلام، عیسائیت اور سیدنا عیسیٰ“ میں ہی کے زیر عنوان ادارہ اسلامیات نے ماہ جنوری ۲۰۰۹ء میں اسے کتابی شکل میں شائع کیا، میری اس کتاب کو شائع ہوئے آج تقریباً آٹھ دس سال کا عرصہ ہو چلا، اور اس عرصہ میں میری اس کتاب کے دو ایڈیشن بھی چھپ گئے، کتاب کی شروع اشاعت میں، میں یہ محسوس کرتا رہا، کہ شاید پادری شمعون ناصر صاحب اس حوالہ سے رابطہ کرینگے، مگر ایسا نہ ہوا، بلکہ ہوا تو صرف یہ ہوا، کہ اس آٹھ، دس سال کے عرصہ کے بعد پادری شمعون ناصر صاحب کی جگہ سرحدی لوتھرن چرچ مردان کے بشپ پیٹر مجید صاحب نے میری مذکورہ کتاب کا مطالعہ فرما کر مجھے دو ۲۰ صفحات پر مشتمل ایک خط لکھا ہے، جو مجھے فروری ۲۰۰۹ء میں موصول ہوا ہے۔

مگر مجھے اندس ہے کہ بشپ پیٹر مجید صاحب نے بھی اپنے سلف کی روش کو قائم

رکھتے ہوئے، میری تالیف کے مضمون یا اس کی کسی سطر سے تعرض نہیں فرمایا، مگر یہ کہ سرورِ دو عالم ﷺ کی ذاتِ مقدس پر بے حقیقت الزام تراشیاں، اور قانونِ توہینِ رسالت (1957) - C-295 کو بے ایمانہ اور غلط قانون لکھنے کے ساتھ بشپ پیئر مجید صاحب کا قلم حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کو مغالطات لکھتا رہا۔ جیسا کہ اس کتاب میں موجود بشپ پیئر مجید صاحب کے خط کو پڑھ کر بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

مجھے افسوس ہے، کہ پیئر مجید صاحب عہدہ "بشپ" پر فائز ہونے کے باوجود اپنے خط کے محض دو صفحات کو ادنیٰ چاشنی دینے سے محروم رہے، اور ان کی تحریر پڑھنے والوں کو مغالطہ آفرینی کے سوا کچھ نہ دے سکی، بہر حال بشپ صاحب کی خواہش کے مطابق ان کے خط کا جواب کتاب کی صورت میں حاضر خدمت ہے، اُمید ہے، کہ بشپ صاحب نظرِ انصاف سے ملاحظہ فرمائیں گے۔

خالد محمود

سابق، یوٹیل کنڈن

۱۴ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جناب بَشپ پیٹر مجید صاحب!

سلام علی من اتبع الهدی!

جناب بَشپ صاحب! اس سے پہلے کہ میں آپ کے خط کے مکمل جواب کی طرف آؤں، مجھے اجازت دیجئے، کہ میں آپ کے خط کی ان سطروں کی طرف آؤں جس میں آپ مجھے مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ:

”یہ ایسے سوالات ہیں جو کہ اسلام کی اصل تصویر کو ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں اور جو لوگ آپ کی طرح اپنے لئے نیا مذہب اختیار کرتے ہیں، ان کو ان کمزور اسلامی انداز کا کچھ سمجھ نہیں آتا۔“

بَشپ صاحب! موجودہ عیسائیت سے توفیق الہی صاحب جو کہ مذہب اسلام اختیار کرنے کے سلسلہ میں عرض ہے، کہ الحمد للہ ”دین اسلام“ کی بنیادی اساس کتاب اللہ یعنی قرآن مجید فرقان حمید ہے، اور اس کی عملی اور علمی تفسیر سرورِ دو عالم صلی اللہ اور آپ کی ”احادیث مبارکہ“ ہیں یعنی قرآن مجید اور احادیث نبوی ﷺ ایک ایسے ”لازوال مجموعہ“ کا نام ہے، جو آئندہ قیامت تک کیلئے بنی نوع انسانیت کیلئے ”مکمل ضابطہ حیات“ اور ابدی کامیابی کی کنجی و قندیل اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے مرتب کردہ تمام سابقہ شریعتوں کا نچوڑ ہے اور مکمل ”دین مبین“ اور ”دینِ نطرت“ ہے۔

الحمد للہ دین اسلام اپنے اندر ایک ایسا نظم لئے ہوئے ہے، کہ انکی ”پاکیزہ

تعلیمات کی روشنی میں گھر سے لے کر معاشرت اور حکومتوں کے احکامات مرتب شدہ ہیں، اور ان احکامات کا مکمل تعلق وحی الہی سے جزا ہوا ہے، نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ، اور دیگر ظاہری اور باطنی عبادات، حقوق اللہ، حقوق العباد اور ان حقوق کی جتنی اقسام ہو سکتی ہیں، یا ہیں، دین اسلام علمی، عملی اور روحانی طور پر ان سب باتوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ قرب قیامت اور آج کے اس پُر فتن دور میں بھی دین اسلام قرآن وحدیث کی بنیاد پر مکمل اور محفوظ دین متین ہے، یعنی ایسا دین عظیم جو قرآن کریم کی صورتِ حاوی اعظم رحمت اللعالمین محمد مصطفیٰ ﷺ کے قلب اطہر پر نازل کیا گیا، اور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے جاری ہوا، لہذا دین اسلام اپنی مضبوط بنیاد میں ایک عظیم الشان اور کامل و مکمل دین ہے، اور یہی وہ بات ہے، جسکو قرآن مجید فرقانِ مید بیان کرتا ہے، کہ:

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاقْتَضَتْ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا.

ترجمہ: ”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لئے) پسند کر لیا۔“

مگر بیشپ صاحب! آپ میں سے اکثر یہود و نصاریٰ بغض و حسد کی بنا پر ”دین اسلام“ اور سیرت طیبہ ﷺ پر اعتراضات کرتے ہیں، تاکہ وہ نو مسلم جو ضمیر کی آواز پر لبیک کہہ کر دین اسلام قبول کر چکے ہیں، ایسے

نومسلموں کو داپس ”کفر“ پر لے آئیں۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا،
حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ.

ترجمہ: ”(مسلمانو!) بہت سے اہل کتاب اپنے دلوں کے حسد کی بناء پر یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تمہیں پلٹا کر پھر کافر بنادیں،
باوجودیکہ حق اُن پر واضح ہو چکا ہے۔“ (سورہ بقرہ، آیت ۱۰۸)

اسی طرح ایک اور مقام قرآن کریم اسلام کے خلاف یہود و نصاریٰ کے
عزائم کو بے نقاب کرتے ہوئے فرماتا ہے، کہ:

يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَنفُسِهِمْ وَيَتَّبِعِيَ اللَّهُ إِلَهُآ أَن يُنِيعَ نُورَهُ وَلَوْ
كَرِهَ الْكَافِرُونَ، هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ
يُظَاهِرُهُ عَلَى الدِّينِ مُكَلِّدًا وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَخْيَارِ وَالرُّهْبَانِ لِيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ
وَيَصُدُّونَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ.

ترجمہ: ”یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے
بُجھا دیں، حالانکہ اللہ کو اپنے نور کی تکمیل کے سوا ہر بات نامنظور ہے،
چاہے کافروں کو یہ بات کتنی بُری لگے (آیہ ۳۱) وہ اللہ ہی تو ہے جس نے
اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے، تاکہ اسے ہر دوسرے
دین پر غالب کر دے، چاہے مشرک لوگوں کو یہ بات کتنی ناپسند ہو، (آیہ ۳۲)
(۳۳) اے ایمان والو! (یہودی) اُخبار اور (عیسائی) راہبوں میں سے بہت

سے ایسے ہیں کہ لوگوں کا مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں، اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ (سورۃ توبہ، آیت ۳۴، ۳۵)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، کہ
يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ أَن يُسْمِ نُورَهُ وَلَوْ
كَسْرَ الْكَافِرُونَ، خُبْرَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ
يُظْهِرُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ

ترجمہ: ”یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے اللہ کے نور کو بجھا دیں
حالانکہ اللہ اپنے نور کی تکمیل کر کے رہے گا، چاہے کافروں کو یہ بات کتنی
بری لگے، (آیت ۸) وہی توبہ جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچائی کا
دین دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ اسے تمام دوسرے دینوں پر غالب کر دے،
(آیت ۹) چاہے مشرک لوگوں کو یہ بات کتنی بری لگے۔“ (آیت ۹، ۱۰)

(سورۃ الفصف آیت ۸، ۹)

اور اوپر کی دو آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں یہ جو
فرمایا کہ: ”وہی توبہ جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور سچائی کا
دین دے کر بھیجا ہے۔“

اس حوالہ سے حضرت عیسیٰ مسیح ابن مریم علیہ السلام بہت پہلے ”بشارت و
خوشخبری“ دیتے ہوئے آئندہ تمام انسانیت کیلئے ”وہیت“ فرما گئے تھے،
کہ: ”لیکن جب وہ یعنی ”روح الحق“ آئے گا تو وہ ساری سچائی کیلئے

تمہاری ہدایت کرے گا۔“ (مقدس یوحنا باب ۱۶ آیت ۱۳)

اور جب حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارت کے مطابق رحمت للعالمین علیہ السلام کو فرحان کی چوٹیوں سے جلوہ گیر ہوئے، تو ایک دفعہ پھر یہود و نصاریٰ اپنے بغض، حسد اور عناد کی بناء پر خاتم النبیین علیہ السلام کی نبوت کے انکار می ہو گئے، قرآن کریم اس بارے میں فرماتا ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا بِالْكِتَابِ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبَاءَهُمْ، وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ، الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ.

ترجمہ: ”جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ رسول (ﷺ) کو (اسی طرح) پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، اور بلاشبہ ان میں سے ایک جماعت ایسی ہے جو ضرور حق کو چھپاتی ہے حالانکہ وہ لوگ جانتے ہیں، کہ حق آپ (ﷺ) کے پروردگار کی طرف سے ہے۔“

(سورۃ البقرہ آیت، ۱۲۶)

”اس آیت میں حضور ﷺ کے بارے میں اہل کتاب کے عناد کا ذکر ہے کہ وہ اپنی کتابوں کی روشنی میں حق کو جاننے اور سمجھنے کے باوجود اس کا انکار کرتے ہیں، جس میں حضور ﷺ کی نبوت و رسالت اور بیت اللہ کا قبلہ ہونا بھی شامل ہے، تو رات اور انجیل میں حضور ﷺ کے بارے میں جو نشانیاں آئی ہیں ان کی بنیاد پر وہ حضور ﷺ کی نبوت اور بیت اللہ کے قبلہ ہونے کو اپنے بیٹوں سے بھی بہتر جانتے ہیں لیکن ضد (Stubborn) اور عناد کی وجہ سے اسے نہیں مانتے۔“ (تفسیر روح القرآن، جلد اول صفحہ ۳۶۵)

لہذا ہاشپ صاحب! مذکورہ بالا آیات قرآنیہ کی روشنی میں یہ اندازہ لگانا ذرا

مشکل نہیں، کہ آپ کا خط دین اسلام، سیرت الانبیاء ﷺ اور دین اسلام قبول کرنے والے نو مسلموں سے حسد، بغض اور عناد اور تنقید جمع مقامات پر مشتمل ہے۔

اب آتا ہوں آپ کے خط کے تفصیلی جواب کی طرف۔

بشپ صاحب!

میری تالیف ”اسلام، عیسائیت اور سیدنا عیسیٰ ﷺ“ جو درحقیقت پادری شمعون ناصر کے خط کا جواب ہے، کو پڑھکر جو خط آپ نے مجھے تحریر کیا ہے، مجھے حیرت ہوئی کہ ایک مسیحی پیشوا اور بشپ عہدہ پر فائز آدمی اپنی تحریری گفتگو میں ایسا انداز بھی اپنا سکتا ہے، جس کی اجازت کم از کم خود بائبل بھی نہیں دیتی،

”کسی کی ہاگوٹ نہ کریں۔ ظلم اور ستموں بلکہ نرم مزاج دونوں اور سب آدمیوں کے

ساتھ کمال عیسیٰ سے پیش آئیں۔“ (طفس باب ۳ آیت ۲)

دو صفحات پر مشتمل آپ کے خط کی ابتداء:

”محترم جناب خالد محمود صاحب!

خداوند کی سلامتی آپ کیساتھ ہو! تاکہ آپ راہ حق کو پہچان سکیں اور حیات ابدی کے وارث بن سکیں!“

آپ کی تالیف کردہ کتاب ”اسلام، عیسائیت اور سیدنا عیسیٰ ﷺ“ مجھے گزشتہ سال فی ٹینک اپنی تعلیمی سرگرمیوں کی بناء پر میں ایک مطالعہ کر رہا تھا۔ اب تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں نے اس کتاب کا مطالعہ بڑی تجدیدگی سے کیا ہے اور اس نتیجہ پر رسائی حاصل کی ہے کہ آپ کو ایک عہدہ خط تحریر کیا جائے۔

آپ جناب نے کم ظرفی کا اعلیٰ ترین ثبوت دیتے ہوئے محترم جناب پادری شمعون ناصر کے ہمارے جواب پر سے ہی بھولے، عجیب اور خط کے اصل متن سے کوسوں دور اپنی اس تالیف کردہ کتاب میں دیا ہے۔ پادری شمعون ناصر نے انجائی خرابدہوری اور دلیری سے آپ کے پیچھے ہوئے پمفٹ یا کتابچے (مثنیٰ علیہ السلام) پر جان خود) کے جواب میں آپ کے لئے قبول کردہ مذہب اسلام اور مسلم طرز حیات فی دور جدید کی حقیقت کو میاں کیا ہے، گو کہ آپ نے اس خط کا جواب تالیف کیا یا محمود اشرف عثمانی صاحب سے گروا یا، کیوں کہ آپ کے ماشی میں اگر چھانکا جائے تو آپ اس لائق نہیں کہ آپ اس انداز تحریر پر کہ اسلام، عیسائیت اور سیدنا محمد (ﷺ) میں بے کو تحریر کر سکیں، کیوں کہ یہ انداز تحریر صاف صاف لائق یا قابل مولوی صاحبان یا پیدائشی اور تعلیم یافتہ مسلمان افراد اہل حال کر سکتے ہیں۔ بحال آپ نے حقیقت کو جاننے سے بھی ہم اس کو، آپ کا دل رکھنے کے لئے، آپ کی تالیف تسلیم کرتے ہیں۔ چند الفاظ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوں، جس کا جواب آپ جناب یقیناً مطلبہ نظر یا کوئی نئی کتاب تالیف کریں گے یا کرائیں گے میں دیں گے۔

بشپ صاحب! اس سلسلہ میں چند باتیں آپ کے لائق توجہ ہوں:

اول: یہ سچ ہے، کہ رد عیسائیت پر میری تحریری دینا کے ”ماخوذ“ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرحوم مغفور اور شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم جیسے عظیم اور بابرکت حضرات ہیں، کیوں کہ علم و عمل میں یہ حضرات اپنی مثال آپ ہیں۔

دوم: مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ پادری شمعون ناصر صاحب کے خط کے جواب

جیسے ادنیٰ کام کے لیے میں حضرت مولانا محمود اشرف صاحب زید مجدہم یا حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کو رحمت دوں، ان عظیم حضرات سے تو اللہ تعالیٰ درس و تدریس، تصنیف و تالیف، قیامی، اور لوگوں کی روحانی اور اخلاقی تربیت و اصلاح اور اسی طرح کے دیگر کئی اعلیٰ و عظیم اور بابرکت کام لے رہا ہے، تو مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ میں ایک مختصر اور ادنیٰ سے خط کے لیے ان حضرات کو رحمت دیتا پھیروں، وہ بھی ایسی صورت میں جبکہ وہ خط شمعون ناصر پادری صاحب نے میرے نام لکھا تھا، تو جواب دینا دیکھنا بھی میرا کام ہے، مگر ان عظیم لوگوں کا۔

سوم: رہی بات حضرت مولانا محمود اشرف صاحب زید مجدہم سے شمعون ناصر پادری صاحب کے خط کے جواب کے سلسلہ میں ان سے کچھ لکھوانے یا تالیف کرانے والی بات، تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ پیئر صاحب! آپ اپنے اس خط میں میری کتاب ”اسلام، عیسائیت اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام“ کے بارے میں یہ کہہ آئے ہیں، کہ: ”میں نے اس کتاب کا مطالعہ بڑینجیدگی سے کیا ہے“ مگر مجھے حیرت ہوئی کہ آپ کی ”نجیدگی“ سے میری کتاب کا صفحہ نمبر ۷ کیونکر ابھل رہا، کہ اس صفحہ پر ”پیش لفظ“ کے علاوہ پوری کتاب میں حضرت مولانا محمود اشرف صاحب کا لکھا ہوا ایک لفظ موجود نہیں لیکن اس حقیقت پر آپ کو یقین کی کیفیت اس لئے بھی حاصل نہیں، کہ آں جناب کے نزدیک معیار میرا ”ماضی“ ہے، جیسا کہ آپ نے میرے بارے میں ارشاد فرمایا ہے، کہ:

”کیوں کہ آپ کے ماضی میں اگر جھگڑا جائے تو آپ اس لائق نہیں کہ آپ اس انداز

قریر جو کہ اسلام، عیسائیت اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام میں ہے کو تخریر کریں، کیوں کہ یہ

انداز تحریر مفتی یا قابل مولوی صاحبان یا پیدائشی اور تعلیم یافتہ مسلمان افراد استعمال کر سکتے ہیں۔

یہ تو آپ کی مہربانی ہے، کہ آپ نے کس نفس کا مظاہرہ کرتے ہوئے صرف میرے ”ماضی“ کو سامنے رکھ کر فیصلہ فرمایا ہے، اچی جناب! مجھ غیبی کے ”ماضی“ و ”حال“ کو تو رکھیں ایک طرف، یہ تو بتوفیق الہی ”عقیدہ کفارہ اور عقیدہ تثلیث“ سے تائب اور ”دین اسلام“ لانے کی برکت ہے، کہ میری تالیف۔ (اسلام، عیسائیت اور سیدنا قیسی علیہ السلام) باوجود کج بیج ہونے کے آپ سے ”تعلیم یافتہ مسلمان“ اور ”مولوی اور مفتی“ کے ”انداز تحریر“ کی ”سند“ پاتی ہے،

اب آپ اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ اگر یہ تالیف یا تحریر حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب یا حضرت مولانا محمود اشرف صاحب زید مجدہم زب قرطاس فرماتے، تو وہ کس قدر بلند پایہ اور علم سے بھرپور ہوتی، اس کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں، آپ اپنے خط کے اگلے حصہ میں فرماتے ہیں:

”ماہذا دین کا نچوڑ جناب آپ ضرور مسکن مذہب سے تعلق رکھتے تھے، لیکن آپ کی مسیحیت سے واقفیت کا ثبوت ہی آپ کا خاندان خود ہوتا ہے۔ جس کا اظہار آپ نے خود ان اللہ علیہم کیا ہے، کہ میں سیاہو کار اور نا کارہ شخص تھا۔ جہاں تک لفظ (فارقلیط) کی بات آپ نے کہ ہے تو عرض جناب یہ ہے کہ مولانا کیہ انوی یا مولانا تقی عثمانی یا دیگر مسامی، انشاء حضرت اس لفظ کو بڑی ہی منافقت اور عیاری سے اپنے ہی حیرانے میں اور اپنے ہی تخریبی لبس میں زیب تن کرتے ہوئے پیش کرتے ہیں۔ اس لیے گزارش آپ سے یہ ہے کہ سابق جو نیکل کنڈن صاحب، آپ خود اس لفظ کی حقیقت کو

اسلامی اسکالرز سے ہٹ کر اور عیسائی سمندر میں غوطہ زنی کرتے ہوئے تحقیق و تہقیر کی روشنی میں اس لفظ کی اصل یا حقیقت، ماخذ تک رسائی حاصل کریں اور صرف (اسلام اور عیسائیت اور انکھار الحق) پر ہی تکیہ نہ کریں تاکہ آپ پر سچائی منکشف ہو اور بے مقصد اور فضول دلیلوں سے آپ حضرت محمد ﷺ کو روح القدس کی جگہ دینا چاہتے ہیں۔ تو ساتھ ہی آپ نے اپنے لئے مذہب کی اصل روح بھی عیاں کر دی ہے کہ آپ حضرت محمد ﷺ کے غلاموں کے غلام ہیں، لیکن اسکے برعکس ہمیں ﷺ اپنے لوگوں کو غلام نہیں بناتے اور نہ ہی بنا نا چاہتے ہیں۔“

آپ نے میری تالیف ”اسلام، عیسائیت اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام علیہ السلام“ کا اگر باغور مطالعہ فرمایا ہو تو، اپنے قبول اسلام کی روداد ”میں مسلمان کیوں ہوا“ کے تحت صفحہ ۲۰۳ کے حاشیہ پر میرا یہ اقرار موجود ہے کہ

”میں یہاں اس حقیقت کا بھی اعتراف کرتا چلوں کہ عیسائی ہوتے ہوئے مجھے خود بھی عیسائیت کا واجبی سا علم تھا۔“

تو شاید آپ کو میرے بارے میں یہ جملہ لکھنے کی رحمت نہ اٹھانی پڑتی کہ:

”آپ کی مسیحیت سے ناواقفیت کا ثبوت ہی آپ کا خالد محمود ہونا ہے۔“

بشپ صاحب! کیوں کہ میں تو اپنی تالیف میں پہلے ہی یہ گزارش کر آیا ہوں کہ:

”میں یہاں اس حقیقت کا بھی اعتراف کرتا چلوں کہ عیسائی ہوتے ہوئے مجھے

خود بھی عیسائیت کا واجبی سا علم تھا، لیکن جب میں نے ”دین اسلام“ قبول کیا اور

عیسائی برادری نے میرے قبول اسلام کے حوالے سے جب ”اسلام“ پر اعتراضات

کئے تو مجھے تجسس پیدا ہوا کہ میں نہ صرف عیسائی برادری کے اعتراضات کے جوابات

دوس بلکہ ان کے عقائد باطلہ کی نفی بھی کروں۔ چنانچہ اہل اسلام کی جانب سے رو عیسائیت کی کتب کی تلاش نے مجھے مناظرے اسلام حضرت مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی مرحوم و مغفور کی کتاب "اظہار الحق" اور "انجاز مہدی" سے جاملایا۔ یہ دونی رحمت اللہ کیرانوی مرحوم و مغفور ہیں کہ جن کی تصانیف کے بارے میں حضرت مولانا سید انوار شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ:

"اللہ مولوی رحمت اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ ان کی کتابیں عقائد اسلام کے تحفظ میں اپنی مثال آپ ہیں۔ خدا نخواستہ وقت پڑنے پر ہمارے علماء کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"میں مسلمان کیوں ہوا" میں جگہ میں یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ:

"ان ہی دنوں یہاں عیسائی ہستی میں میری جن لوگوں سے واقفیت ہوئی تھی۔ ان میں سے میرے بالکل سامنے والے گھر میں جو تین بھائی عیسائی رہتے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے یہ معلوم کرنے کے بہانے کہ میں عیسائی سے مسلمان کیوں ہوا تھا، مذہبی بحث شروع کر دی۔ میں ان دنوں صرف اور صرف اسلامی معلومات کی کتابیں پڑھ رہا تھا۔ مذہبی بحث کے دوران جو سوالات ان لوگوں نے اسلام کے خلاف کئے اور تثلیث پرستی کے حق میں کئے تھوڑی بہت معلومات کے تحت میں نے ان سوالات کے جوابات دیئے۔ اللہ کا کرم ایسا ہوا کہ انہی دنوں میں کسی اسلامی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اس کتاب کے آخر میں چند کتابوں کی فہرست چھپی ہوئی نظر سے گزری۔ اس فہرست میں موجود حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کی کتاب "عیسائیت کیا ہے" تھی۔ اسی کتاب کے مطالعے سے پتہ چلا کہ رو عیسائیت پر ایک تین جلدوں والی کتاب "اظہار

الحق۔ (بائبل سے قرآن تک) حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مرحوم مغفور کی لازوال اور بے مثال کتاب بھی ہے۔ (اسلام، عیسائیت اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام)

ص ۲۰، ۲۱

میرے قبول اسلام کی روداد کے ان دو اقتباسات کے ملاحظہ سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ مسیحیت سے میری ناواقفیت اور واقفیت کی کیا وجوہات ہو سکتی تھیں، ورنہ سچی بات ہے کہ دین اسلام کے قبول کے بعد میں اسی ڈگر پر گامزن تھا کہ قبول اسلام کے بعد مجھ پر عملی طور سے جو فرائض و واجبات بنتے ہیں، ان کو سیکھو اور پڑھو، اور اپنی روحانی جستجو و تسکین کے لیے، اللہ تعالیٰ شانہ کی ”آخری کتاب“ قرآن مجید قرآن حمید اور خاتم الانبیاء آقا دو جہاں نبی کریم ﷺ کی سیرت و احادیث اور حیات صحابہ کرام رضوان اللہ کا مطالعہ کرتا رہوں، مگر میرے قبول اسلام اور دین اسلام پر مسیحی برادری کے اعتراضات نے تنگ آمد، جنگ آمد کے مصداق مجھے ریجیسائیت کی کتب کے مطالعہ پر بھی مجبور کر ڈالا، ورنہ میری خواہش یہی رہی اور ہے، کہ میں اسلامی موضوعات پر لکھوں پڑھوں، اور اسلام پر مسیحی پادری صاحبان کے جس قدر فضول اور بے معنی مناظرے اور مناقشے ہیں ان سے دور رہوں، ایک قواسم لیے بھی کہ ان کی حقیقت کچھ نہیں اور دوسرا یہ کہ دین اسلام، آقا دو جہاں احمد مصطفیٰ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ پر مسیحی پادری جو، جو اعتراض کرتے آئے ہیں، ان سب کے جوابات حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا آل حسن مہمانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم عصر علماء کرام مکمل طور پر ہجت اتمام کے ساتھ دے آئے ہیں، فی زمانہ حضرت مولانا بشیر احمد حسینی صاحب زید مجدہم، مولانا محمد اسماعیل عارفی صاحب

حضرت مولانا عبدالرؤف فاروقی صاحب زید مجدہم، سربراہ ”مرکز تحقیق اسلامی“ لاہور، عیسائیت، تجزیہ و مطالعہ کے مصنف جناب رافیل پروفیسر ساجد میر صاحب اور شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم رو عیسائیت پر کسی تعارف کے محتاج نہیں، خصوصاً حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم نے حضرت مولانا رحمت اللہ کیہ انوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”اظہار الحق“ المعروف ”بائبل سے قرآن تک“ اور ”اعجاز عیسوی“ کی جس اہتمام سے اشاعت کی ہے، اور ”اظہار الحق“ پر ”عیسائیت کیا ہے؟“ کے زیر عنوان جو مقدمہ تحریر فرمایا ہے، وہ کسی بھی حق کے مثلاًشی سبھی دوست کو ”راہِ حق“ دکھا سکتا ہے، اور یہی وجہ ہے، کہ مصعب ”بشپ“ پر فائز ہونے کے باوجود آپ نے دیگر اسلامی دانشوروں سمیت حضرت مولانا رحمت اللہ کیہ انوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کے لیے ”منافقت“ اور ”عیاری“ جیسے الفاظ کا استعمال کیا ہے،

کیا؟ ایک ”بشپ“ جو مسیحی عوام الناس کا مذہبی راہنما اور مقتدا ہو، اور جو بائبل کے اس حکم کو جانتے ہوئے، کہ

”لیکن اب تم بھی ان سب کو یعنی غصہ اور قہر اور بدخواہی اور بدگوئی اور مہ سے گالی بکنا چھوڑ

دو۔“ (کلیسیوں باب ۲ آیت ۸)

کیا؟ یہ جائز اور رواء ہے کہ وہ ”بدگوئی“ اور ”گالی بکے“ حالانکہ اپنے خط میں آپ نے ”امن اور سلامتی“ ”مذہبی ہم آہنگی“ اور ”پرامن“ جیسے دغریب الفاظ کا استعمال فرمایا ہے۔ اور اپنے اسی خط میں آپ نے اہل اسلام کے لیے ”مکاری“ و ”عیاری“ ”بھونڈے“ اور ”منافقت“ جیسے الفاظ کا ذخیرہ جمع کیا ہے، اب دیکھ لیں، کہ

کہاں آپ کی ”امن و سلامتی“ کی باتیں اور کہاں عیاری و مکاری، بھونڈے اور منافقت جیسے الفاظ، بشپ صاحب! کیا آپ یہ محسوس نہیں کرتے، کہ آپ کے مذکورہ بالا الفاظ آپ کے ”امن و سلامتی“ والے ”فارمولے“ کی چغلی کھارہے ہیں؟ رہی میری ”مسیحیت سے ناواقفیت“ والی بات تو جناب بشپ صاحب! آپ جناب! مجھے جس مسیحیت سے واقف کرا رہے ہیں، اس مسیحیت سے میری ناواقفیت ہی میرے حق میں بھلی ہے، خصوصاً اس حوالہ سے بھی کہ موجودہ مسیحیت پولس صاحب کے ”نظریات و افکار“ کے مجموعہ کا نام ہے، اور یہ بات میں خود نہیں کہتا بلکہ جناب آرچبلڈ میر صاحب اپنی کتاب

”Jesus or Paul“ صفحہ ۱۲۲، ۱۲۳ پر فرماتے ہیں:

”If Christianity we understand faith in Christ the heavenly son of God who did not belong to earthly humanity, but who lived in the divine likeness and glory, who came down from heaven to earth, who entered into humanity and look upon Himself a human form that He might make propitiation for men’s sin by His own blood upon the cross, who was then awakened from death and raised to the right hand of God as the lord of His own people, who now intercedes for those who believe in Him, hears their

prayers, guards and leads them, who moreover, dwells and works personally in each of those who believe in Him, who will come again with the clouds of Heaven to judge the world, who will cast down all the foes of God, but will bring His own people with Him into the home of heavenly light so that they may become like unto His glorified body- if this is Christianity, then such Christianity was founded principally by St. Paul and not by our Lord."

"اگر ہم عیسائیت کا مطلب مسیح پر (اس طرح) ایمان سمجھتے ہیں کہ وہ خدا کا آسانی بنا ہے جو زمینی انسانوں میں سے نہ تھا بلکہ خدائی صورت اور شان میں رہتا تھا۔ (پھر) وہ آسمان سے زمین پر اترا آیا اور انسانی شکل اختیار کی تاکہ وہ صلیب پر اپنے خون کے ذریعہ لوگوں کے گناہ کا کفارہ دلا کرے۔ جسے پھر موت سے جگا کر اور اٹھایا گیا اور ماننے والوں کے خداوند کے طور پر خدا کے دائیں ہاتھ بٹھایا گیا۔ جو اب خود پر ایمان رکھنے والوں کی شفاعت کرتا ہے ان کی دعا میں منتا ہے ان کی حفاظت اور رہنمائی کرتا ہے۔ علاوہ میں اپنے آپ پر یقین کرنے والوں میں سے ہر ایک کے اندر ذاتی طور پر رہتا اور کام کرتا ہے جو دنیا کا انصاف کرنے کے لیے آسمان کے بادلوں کے ساتھ دوبارہ آئے گا جو خدا کے سب دشمنوں کو کرائے گا مگر اپنے لوگوں کو اپنے ساتھ آسمانی نور کے گھر لے جائے گا تاکہ وہ اس کے معظم بدن کی طرح بن

جائیں۔ اگر یہ عیسائیت ہے تو ایسی عیسائیت کی بنیاد زیادہ تر مقدس پولس نے رکھی تھی
نہ کہ ہمارے خداوند (مسیح) نے۔“

(Arnold Meyer: Jesus or Paul? pp. 122-123)

لفظ ”فارقلیط“ کے حوالہ سے آپ فرماتے ہیں کہ:

”جہاں تک لفظ (فارقلیط) کی بات آپ نے کی ہے تو عرض جناب یہ ہے کہ وہاں
کیہ انوی یا موداعی پہنچائی یا نہ اس کی، اکثر لفظ اس لفظ کو ملتی، مانتا اور
عیاری سے اپنے میں جو اس میں اور ایک نہ تھی، اس میں اس میں ایک تھی، جس سے
شیش کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اوش آپ سے پوچھتے کہ سابق پولس کنڈن صاحب،
آپ خود اس لفظ کی حقیقت و اسلامی مکتبہ کے بارے میں قلمی متن میں غور فرمائی
رہے وہ نے تحقیق تفسیر کی روشنی میں اس لفظ کی اصلیت و لفظ فقہ و
حاصل کریں اور صرف (اسلام اور عیسائیت اور اسلام اور عیسائیت) پر مبنی تھی کہ آپ
پر پہنچائی مشن جو اور سے مقصد اور مشمول ولیوں سے آپ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ
وہم) اور اس لفظ کی بناء پر پاتے ہیں تو ملاحظہ کیا آپ نے اپنے مکتبہ کی
اصل روح بھی یہاں کر دی ہے کہ آپ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ناموں
کے نام ہیں، لیکن اسکے برعکس یہی ~~لفظ~~ ہے کہ وہاں وہاں میں بناتے اور اس سے
بنانا چاہتے ہیں۔“

بشپ صاحب لفظ ”فارقلیط“ (فارقلیط) کے بارے میں آپ نے مجھے جو تحقیق
و تفسیر کی روشنی میں اس لفظ کی اصل مابیت و ماخذ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے جو
مشورہ عنایت فرمایا ہے، اس مشورہ کا بہت بہت شکریہ،

مگر اس کی تحقیق و تفسیر اور اس لفظ کو اپنے ہی انداز سے جو تشریحی لباس مسیحی دنیا نے ڈیپ تن کر دیا ہے، اس کی حقیقت بھی سن لیجئے، تو آپ کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا، کہ جو گراں قدر مشورہ آپ نے مجھے عنایت فرمایا ہے، وہ کس قدر حقیقت پر مبنی ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”اہل کتاب خواہ اگھے ہوں یا بچھے، ان کی یہ عام عادت ہے کہ وہ اپنے تراجم میں ناموں کا بھی ترجمہ کرتے ہیں، اور اصل ناموں کے عوض میں ان کے معانی بیان کرتے ہیں یہ بڑا بھاری خطبہ ہے، جو تمام خرابی کی بنیاد ہے، کبھی کبھی تفسیر کے طور پر اس کلام میں جو ان کے نزدیک خدائی کلام ہے، اپنی جانب سے کچھ بڑھاد دیتے ہیں، اور دونوں میں امتیاز کے لیے کسی قسم کا اشارہ بھی نہیں کرتے، یہ دونوں چیزیں تقریباً ان کی عادتِ ناشیہ بن گئی ہیں، اور جو شخص ان کے مختلف زبانوں میں پائے جانے والے ترجموں میں غور کرے گا اس کو ہمارے اس دعوے کے بہت سے شواہد مل سکتے ہیں۔ ہم بھی نمونہ کے طور پر اس مقام پر کچھ نقل کرتے ہیں۔“

(ماہنامہ سے قرآن تک، ص ۲۰۷، ۲۰۸)

پھر ایک اور مقام پر مولانا کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”اعلام و اسماء اور ناموں کا ترجمہ کر دینا یا ان کو دوسرے الفاظ میں تبدیل کر دینا یا اپنی جانب سے تفسیروں کا املی، یہ ان کے اگلوں و پچھلوں سب کی جلی خصلت ہے، یہ کوئی بعید نہیں کہ ایسے لوگ حضور ﷺ کے ناموں میں سے کسی نام کا ترجمہ کر دلیں، یا کسی دوسرے لفظ سے بدل دیں، یا تفسیر کے طور پر بڑھا دیں، یا بغیر تفسیر ہی کوئی چیز ایسی بڑھا دیں جس کی موجودگی میں بھابھا استدلال کرنے میں غلط اور کھٹکتا پڑ جائے۔“

اور ظاہر بات ہے کہ یہ تحریف و ترمیم کا اہتمام عیسائیوں نے جس قدر مسلمانوں کے خلاف کیا ہے وہ خود اپنے مخالف فرقوں کے خلاف تحریف کے اہتمام سے کہیں زیادہ ہے۔“ (بائبل سے قرآن تک، ص ۲۲۱، ۲۲۲)

اور اس کے حاشیہ پر حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم لکھتے ہیں کہ:
 ”یعنی یہ بات ثابت ہے کہ عیسائیوں نے خود اپنے بعض فرقوں کا رد کرنے کے لیے بائبل میں تحریفیں کی ہیں تو مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لیے تو اس قسم کی تحریفیں یقیناً زیادہ کی گئی ہوں گی۔“ (بائبل سے قرآن تک، ص ۲۲۲)

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کے قلم سے نکلے ہوئے یہ وہ مذکورہ بالا حقائق ہیں کہ جن کی شہادت پر وہ فیصلہ بارت ڈی ہر سن اپنی کتاب "MISQUOTING JESUS" میں بھی دے رہے ہیں، پر وہ فیصلہ صاحب لکھتے ہیں کہ:

”چند دہائیوں سے جن تبدیلیوں کا ہم نے جائزہ لیا، عہدِ بندہ جدید کے ابتدائی مسودوں کی عبارت کی تلاش کرتے ہوئے انہیں پہچانا اور ان کا تذکرہ کرنا آسان ہے۔ لیکن جان بوجھ کر کی گئیں تبدیلیوں کی پہچان مشکل کام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چوں کہ یہ تبدیلیاں جان بوجھ کر کی گئی تھیں لہذا انہیں اس طرح کیا گیا تھا کہ یہ جملے میں غیر مناسب نہ محسوس ہوں۔ چوں کہ یہ تبدیلیاں مناسب ہیں لہذا کوئی نہ کوئی ناقد ایسا ضرور ہو گا جو اسرار کرے گا کہ اس سے زیادہ مناسب لفظ ہوتی نہیں سکتا..... یعنی اس کا استدلال ہو گا کہ یہ جان بوجھ کر کی گئی تبدیلیاں نہیں بلکہ اصل ہیں۔ یہ تنازعہ یہ سمجھنے والے اسکالروں، کہ مقدس متن میں تبدیلیاں ہو چکی ہیں اور یہ سمجھنے والے اسکالروں،

کہ مقدس متن کسی تبدیلی سے محفوظ رہا ہے، کے درمیان کا نہیں۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ مقدس متن بدلا جا چکا ہے لہذا سوال اُٹھتا ہے تو یہ کہ کون سی عبارت تبدیل شدہ ہے اور کون سی ایسی ہے جسے ممکن حد تک ابتدائی ترین سمجھا جاسکتا ہے۔ اور یہی وہ مسئلہ ہے جس پر اسکالروں میں اختلاف ہو سکتا ہے۔“

(ترجمہ نظر احمد روزنامہ ”است“ کراچی، نمبر 28، رجب 1406ھ۔)

بشپ پیٹر مجید صاحب! آپ پر مذکور ان شہادتوں کو نظرِ عدل سے ملاحظہ فرما کر آپ خود ہی انصاف کیجئے، کہ بائبل مقدس کے ترجموں اور اصل متن میں اس قدر تحریف و ترمیم کر دی گئی ہو، کہ اصل ناموں تک کے ترجمے کر کے نبی کریم ﷺ کی ”آئمہ مبارکہ“ کی ”بشارت“ کو مسیحی پادری صاحبان ”روح القدس“ پر چسپاں کرتے ہوں، تو مجھے ایسی جسارت سے معاف رکھیں کہ میں اسلامی اسکالرز (حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم) سے ہٹ کر اور نہ جانے کون سے نام نہاد تعلیمی سمندر میں غوطہ زنی کرتے ہوئے لفظ فارقلیط کی تحقیق و تفسیر کرتا پھیروں، کیوں کہ ایسی تحقیق و تفسیر جو علماء اہل اسلام سے ہٹ کر ہو وہ لازمی طور پر خاتم النبیین ﷺ پر ایمان و یقین کے منافی ہوگی، اور حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کے ان ارشادات کے خلاف ہوگی، جو وہ اپنے رافع آسمانی سے پہلے آئندہ تمام انسانوں کے لیے سید الانبیاء احمد مصطفیٰ ﷺ کی آمد مبارک کی ”خوشخبری“ و بصیرت کے طور پر تاکید ارشاد فرما گئے ہیں کہ:

”لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیوں کہ اگر میں نہ

جاؤں گا تو وہ دہ دہا کر تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج

دول گئے اور وہ آخر دنیا کو گناہ اور راستہ بازی اور عدالت کے بارے میں تصور اور نظریے لگائے۔ گناہ کے بارے میں اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔ راستہ بازی کے بارے میں اس لیے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھرتے دیکھو گے۔ عدالت کے بارے میں اس لیے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے۔ مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم انکی پروا نہ کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی چائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام چائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ چلے طرف سے نہ کہے گا لیکن چہ سچو سے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔“ (یوحنا باب ۱۶ آیت ۱۳)

خاتم النبیین احمد و محمد (ﷺ) کے بارے میں حضرت مسیح علیہ السلام کے مذکورہ بالا بشارتی اور کھلے ہوئے الفاظ کے بعد آپ کے اس جملہ ”اور بے مقصد اور فضول دلیلوں سے آپ حضرت محمد (ﷺ) کو روح القدس جلہ وینا چاہتے ہیں۔“ کی کیا حیثیت رو جاتی ہے، اور جن حقائق کو آپ ”بے مقصد اور فضول دلیلیں“ بتلا رہے ہیں، ان کی بنیاد حضرت مسیح علیہ السلام کے الفاظ اور ارشادات ہیں، اب یہ آپ ہی کی ہمت اور حوصلہ ہے، کہ آپ ان حقائق کو بے مقصد اور فضول دلیلوں کا نام دیں، اور اس پر بھی آپ کا کمال یہ، کہ اپنے خط میں جہاں آپ نے دیگر الزامات کے ثبوت کے لیے کوئی حوالہ یا دلیل دینا پسند نہیں فرمایا، یہاں بھی آپ نے بے مقصد اور فضول دلیلوں کے بارے میں کسی اسلامی یا کم از کم مسیحی تحریرات کا حوالہ دینے کی زحمت نہیں فرمائی۔

لیکن میں یہاں اس موقع پر لفظ فارقلیط (ﷺ) کے سلسلہ سے دو چار باتیں باحوالہ عرض کرنا چاہوں گا، لفظ فارقلیط کے بارے میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحب نے اپنی کتاب اظہار الحق جلد سوم میں اوپر مذکور یوحنا باب ۱۶ کی

بشارت پر مختلف عنوانات سے دلائل دیئے ہیں، ایک مقام پر حضرت کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”ان عبارتوں سے استدلال کرنے سے پہلے ہم دو باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں، پہلی تو یہ کہ آپ تمہید کے ساتویں امر میں معلوم کر چکے ہیں کہ اہل کتاب اگلی ہوں یا چھپنے والے عموماً انہما اور ناموں کا ترجمہ کرنے کے عادی ہیں۔ دوسری یہ کہ طبرانی زبان بولتے تھے کہ یونانی، اس کے بعد اس بات میں کوئی بھی شک باقی نہیں رہتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس شخص کی حشریہ آوری کی بشارت دی تھی۔ چوتھی اشیل نے اس کے نام کا اپنی عادت کے مطابق یونانی میں ترجمہ کر ڈالا۔ پھر عربی ترجمہ کرنے والوں نے یونانی لفظ کو ”عرب کر کے فارقلیط بنا دیا، ہم کو ایک اردو رسالہ جو کسی پادری کا لکھا ہوا ہے ۱۸۶۸ء میں لاہور کلکتہ میں طبع ہوا تھا، اور جس میں لفظ فارقلیط کی تحقیق کی گئی تھی، اس کے مؤلف نے دعویٰ کیا تھا کہ ہمارا مقصود اس رسالے کی تحریر سے مسلمانوں کی اس غلط فہمی کو دور کرنا ہے، جو فارقلیط کے لفظ سے پیدا ہوئی ہے، اس کے بیان کا خلاصہ یہ تھا کہ:

”یہ لفظ یونانی لفظ سے عربی بنایا گیا ہے لہذا اگر ہم یہ فرض کریں کہ اصل یونانی لفظ ”پاراکلیطوس“ ہے تو اس کے معنی معین و مددگار اور کارساز و وکیل کے ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اصل لفظ ”پیریکلوٹوس“ ہے تو پھر اس کے معنی ”محمد“ اور ”احمد“ کے قریب ہو جاتے ہیں، علماء اسلام میں سے جس کسی نے اس بشارت سے استدلال کیا ہے، یہ ہی سمجھ کر کیا ہے کہ اصل لفظ ”پیریکلوٹوس“ ہے جس کے معنی ”محمد“ اور ”احمد“ کے معنی کے قریب ہیں، اس لیے اس نے یہ دعویٰ کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ”محمد“ اور ”احمد“

کی چشم کوئی کی ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ لفظ پارا کلی طوں ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ دونوں لفظوں میں بہت ہی معمولی فرق ہے، کیوں کہ یونانی حرف آپس میں بہت ہی مشابہت رکھتے ہیں، اس لیے ”پیرکلوٹوں“ کسی نسخہ میں ”پارا کلی طوں“ سے بدل گیا، پھر عیسائی حضرات نے اس نسخہ کو دوسرے نسخوں پر ترجیح دینی شروع کر دی، اور جو شخص بھی اس کتاب کے باب ۲ اور مسلک نمبر ۶ کے امر نمبر ۷ میں انصاف کی نگاہ سے غور کرے گا وہ یقینی طور پر مان لے گا کہ اس قسم کی چیز دیندار عیسائیوں سے کچھ بھی بعید نہیں ہے، بلکہ ممکن ہے کہ ان کے یہاں اس کو مستحق اور بہتر شمار کیا جاتا ہو۔“ (تکھارالحق، جلد سوم، ص ۲۲۲ تا ۲۲۵)

اور اس جگہ شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کے حاشیہ کو بھی نقل کر لیا جائے تو بات بہت ہی واضح ہو جاتی ہے، آپ حضرت مولانا کیرانوی صاحب کے اہل کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”گویا مصنف کا دعویٰ یہ ہے کہ اصل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آنے والے کا نام ’احمد‘ ذکر کیا تھا لیکن چون کہ عہد قدیم و جدید کے مصنفوں کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے کہ وہ ناموں کا بھی ترجمہ کر ڈالتے ہیں اس لیے انہوں نے یونانی زبان میں لفظ ’احمد‘ کا ترجمہ ’پیرکلوٹوں‘ سے کر لیا۔ عربی مترجمین نے اس لفظ کو عرب کر کے ”فارقلیطہ“ بنادیا۔“ (بائبل سے قرآن تک، ص ۳۲۳)

اسی طرح ایک اور مقام پر حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اس سبب کے بعد اب ہماری گزارش یہ ہے کہ وہ اصل عبرانی لفظ جو عیسیٰ علیہ السلام

نے کہا تھا قطعی معدوم ہے، اور یونانی لفظ موجود ہے، مگر ہم اصل لفظ کی بحث کو چھوڑتے ہوئے اس یونانی لفظ ہی پر بحث کرتے ہیں، کہ اگر اصل یونانی لفظ ”پیروکلوٹوس“ ہے، تب تو ظاہر ہے کہ یہ مسیح کی بشارت محمد ﷺ کے حق میں ایسے لفظ کے ساتھ دی گئی ہے جو ”محمد“، ”احمد“ کے قریب قریب ہم معنی ہے، یہ چیز اگرچہ عیسائیوں کی عام عادت کے پیش نظر قرین قیاس ہے، مگر ہم اس احتمال کو چھوڑتے ہیں، کیوں کہ اس صورت میں مخالفین پر پورے طور پر حجت قائم نہ ہو سکے گی، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ چلیے آپ ہی کا دعویٰ کہ اصل یونانی لفظ ”پیراکلی ٹوس“ ہے، اگر مان لیا جائے تب بھی ہمارے استدلال کے لیے مضر نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ اس کے معنی ”منسوب کیا گیا“ اور ”مدوگاڑ“ اور ”وکیل“ کے ہیں، یا پھر اس کے معنی ”سطارش کرنے والا“ جیسا کہ ترجمہ عربی طبعہ ۱۸۱۹ء میں موجود ہے، اور یہ سب اوصاف محمد ﷺ پر پورے پورے صادق آتے ہیں۔“ (بائبل سے قرآن تک، ص ۳۲۸)

بشپ صاحب! ان حقائق کو پڑھ لینے کے بعد آپ خود ہی فرمائیں، کہ لفظ فارقہ کی تحقیق و تفسیر میں، مجھے مزید کسی تعلیمی سمندر میں غوطہ زنی کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے، وہ بھی ایسی صورت میں جب بائبل کے مترجمین نے آنحضرت ﷺ کے اسم گرامی ”احمد“ کو ”پیروکلوٹوس“ اور فارقہ سے بدل ڈالا ہو۔

اپنے خط میں آپ مزید فرماتے ہیں کہ:

”آپ نے اپنے نئے مذہب کی اصل روح بھی عیاں کر دی ہے کہ آپ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے غلاموں کے غلام ہیں، لیکن اسکے برعکس عیسیٰ ﷺ اپنے لوگوں کو غلام نہیں بناتے اور نہ ہی بنانا چاہتے ہیں۔“

بشپ پیٹر مجید صاحب! آقا دو جہاں نبی کریم ﷺ کے غلاموں کے غلام ہونا بڑی خوش بختی اور سعادت کی بات ہے، ورنہ بائبل تو لوگوں کو بلا واسطہ حضرت مسیح علیہ السلام کا غلام بتلاتی ہے،

”کیوں کہ جو شخص غلامی کی حالت میں خداوند میں بلایا گیا ہے وہ خداوند کا آزاد کیا

ہوا ہے اسی طرح جو آزادی کی حالت میں بلایا گیا ہے وہ مسیح کا غلام ہے۔“

(کرنٹیوں اول باب ۷ آیت ۲۲)

آپ اپنے خط میں لکھتے ہیں:

”آپ نے کتاب کی ضخامت اور قیمت کو بڑھانے کے لیے آپ جناب نے ایس

کے داس کی کتاب ’سچ سچ کلیسیا‘ کو پورا نہیں توکم انکم آدھے سے زیادہ اپنی تالیف

میں انجیلی نمونہ اور شاندار طریقے سے لکھ ڈالا ہے۔“

بشپ صاحب اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ ایس کے داس صاحب نے ”تاریخ

کلیسیا، پاکستان“ میں، پاکستان میں ”سچی مشنریوں“ کے مکمل عزائم اور ان مشنریوں کی

تبلیغی سرگرمیوں پر بہت تفصیل سے لکھا ہے، نیز ان سچی مشنریوں کے عزائم اور تبلیغی

حقائق اگر میں کسی مسلمان عالم یا دانشور کی کتاب سے لکھتا تو یقیناً آپ انہیں بھی جھڑپتے

اور بہت ممکن تھا کہ ایسے مسلمان مصنف کو آپ ”عیار“ و ”منافق“ جیسے خطابات سے نواز

ڈالتے، جیسا کہ آپ کے اس خط سے بھی عیاں ہے، لہذا اس بناء پر یہی ٹھیک بات تھی، کہ

سچی مشنریوں کی کارگزاریوں کو سچی مصنف ایس کے داس صاحب کی زبان ہی کھا پڑھا

جائے، تاکہ ”سند“ رہے،

اور اس حوالے سے وہ مسلمان مصنفین جنہوں نے پاکستان میں عیسائی یا مسیحی

مشرکوں کے بارے میں لکھا ہے، آپ کی مغلطات سے محفوظ رہیں۔

”حضرت محمد ﷺ کی حیات و سوانح“، اس عنوان کے ذیل میں آپ اپنے

خط میں لکھتے ہیں کہ:

”جناب سابق پرنسپل کنڈن صاحب! کیا آپ نے اسلامی تاریخ میں یہ نہیں پڑھا کہ

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام عمر ایسا ہی کرتے رہے کہ جس قوم کی تلاش میں

نکلے اور اسے کمزور پایا تو ان کے قاتلے کو لٹ لیا اور تمام مال جھین کر اسکے آدمیوں

میں سے جہاں تک ممکن ہو سکے قتل کیا، اور جسے زیر دست پایا، اس سے دب گئے اور

وینہ پھیر بھاگ گئے۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی ذات سے ۳۶ لڑائیاں

کرے اور جاسوس جو راتوں کو نکلتے تھے اور بار بار جو دن کو پھرتے تھے اور وہ حملے جو

لڑائیوں میں ہوئے اور شہت و خون بہا وہ اس سے الگ ہیں۔ تو پھر وہ کس طرح

امن و سلامتی کے پیغام بولتے ہیں؟

کیا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) گروہ آدم کی طرف سے رحمت و مہربانی سے

معبود ہوئے؟

کیا نبیوں کو یہ زیب دیتا ہے کہ، ہلاکت کریں اور لوگوں کا مال چھینے کو راہوں پر چاکیں

اور گھیر لیں؟

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کوئی ایسی بات قزاقوں اور راہزنوں کے لیے چھوڑ

رکھی تھی؟

یا ایسے سوالات ہیں جو کہ اسلام کی اصل تصویر کو ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں اور جو

لوگ آپ کی طرح اپنے لیے نیا مذہب اختیار کرتے ہیں ان کو ان کمزور اسلامی اقتدار کا

تجربہ علم ہی نہیں ہوتا۔ ہم جیسے عالم! میں یا سبھی ان باتوں کو اس لیے منظر عام پر نہیں لاتے کہ ہم اس پر ہنس دیں، جیسا کہ ہمارے بعض مسیحی نے کر لیا، اور ہم کسی قسم کا فساد نہیں چاہتے۔“

بشپ صاحب! پہلے تو میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں، کہ نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ پر جس طرح کے بے بنیاد اور عامیانہ الزامات آپ نے لگائے ہیں، یہ کوئی اسلامی تاریخ کے اوراق میں؟، اور وہ کوئی قوم اور قبیلہ تھا، جس سے آپ ﷺ نے پیٹھ پھیر لی؟

لہذا ایسی کسی نام نہاد اسلامی تاریخ کا مسجود کوئی مسیحی پادری یا مسیحی تاریخ ساز ہی ہو سکتا ہے، کیوں کہ اس طرح کی یادہ کوئی پادری صاحبان کی پرانی عادت ہے، اور بحیثیت نو مسلم مجھے اس کا بخوبی تجربہ ہے، کہ مسیحی پادری محض عداوت کی بنا پر نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ پر تنقیص کرتے ہیں، لہذا آقا دو جہاں نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر یہ وہ رٹی رٹائی بے بنیاد باتیں ہیں، جو آپ سے قبل آپ کے اساتذہ کرتے آئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ حق کا منشا ہی جب کوئی غیر مسلم یا مسیحی آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ پر پادریوں کی بے بنیاد باتوں کی تحقیق آپ ﷺ کے شہاغل مبارک سے کرتا ہے، تو ایسے باضمیر حضرات کلمہ حق پڑھ کر خاتم النہین ﷺ کے امتی بن جاتے ہیں، کیوں کہ جب حق آجائے تو باطل مٹ ہی جایا کرتا ہے، نیز یہ کہ ہم اہل اسلام اس بات کو نوب جانتے ہیں کہ جب مسیحی پادری اس حضرت ﷺ کی بشارات میں تبدیلی کے لیے اپنی بائبل مقدس میں تحریف و ترمیم کر سکتے ہیں، تو یہ لوگ آقا دو جہاں سرور دو عالم ﷺ کی کردار سازی کے لیے کچھ بھی تحریری اختراع کر سکتے ہیں،

ورنہ دنیا اور عالم اسلام کی تاریخ گواہ ہے، کہ رسالت مآب ﷺ کے تمام غزوات مبارکہ کی غرض و غایت ایک عظیم اور لافانی مقصد کے تحت تھی، اور وہ یہ کہ:

”جہا، جہد یعنی طاقت سے شلوق ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی طاقت کو جاشا مال و دولت کے لیے نہیں۔ عصبیت اور قومیت اور وطنیت اور اظہار مردانگی و شجاعت اور توسیع سلطنت و مملکت کے لیے نہیں بلکہ محض اللہ کا بول بالا کرنے کے لیے اپنی طاقت کو پانی کی طرح بہا دینا اس کو اصطلاح شریعت میں جہا کہتے ہیں۔

اعلاء کلمۃ اللہ (یعنی اللہ کا بول بالا کرنا) اگر مقصود نہ ہو بلکہ فقط مال و زر مطلوب ہو یا قطع نظر فرق اور پائل سے وطن اور قوم کی حمایت مقصود ہو یا اپنی بیادری اور شجاعت کا اظہار منظور ہو تو اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک وہ جہاد نہیں جہاد وہ ہے جو محض خالص اللہ جل جلالہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہو دنیاوی اور نفسانی اغراض کے متنازعہ سے بالکلیہ پاک ہو۔

یہ کہ خدا تعالیٰ کے وفاداروں کا خدا تعالیٰ کے باغیوں سے محض خدا کا باغی ہونے کی وجہ سے لڑنا اور اس کی راہ میں انتہائی جان بازی اور سرفروشی کا نام جہاد ہے، بشرطیکہ وہ جان بازی اور سرفروشی محض اس لیے ہو کہ اللہ کا بول بالا ہو اور اس کے احکام بے مزمتی سے محفوظ ہو چاہیں اور دنیا کا کسی قسم کا نفع مقصود نہ ہو۔ ایسی جان بازی اور سرفروشی کو شریعت اسلام میں جہاد کہتے ہیں۔“ (سیرت مہطی صلی اللہ علیہ وسلم، حصہ دوم، ص ۱۹، ۲۰)

”نیز یہ کہ اسلامی حکومت قائم کرنے کے لیے جو جنگ کی جائے اس کا نام جہاد ہے اور وطنی کافروں کے ساتھ مل کر غیر وطنی کافروں سے بلا لحاظ اسلام محض وطن کی آزادی کے لیے جنگ کرنے کا نام ہرگز ہرگز جہاد نہیں، حضرات انبیاء کرام نے اپنے ہم وطن

کافروں سے نہ کبھی اتحاد کیا اور نہ ان کی ساتھیوں کو کوئی مشترک حکومت بنائی بلکہ اپنے
 اصحاب کو لے کر ہجرت فرمائی اور اپنی قوم کے کافروں سے ہٹ کر اپنا الگ ٹھکانہ بنایا
 اور جہاد کی تیاری کی اور سب سے پہلے اپنی کافر قوم پر حملہ آور ہوئے اور اس کو فتح کیا۔
 ہر رسول کے سب سے پہلے اپنی قوم کے کافروں سے جہاد کیا غیر قوم کے کافروں سے
 بعد میں جہاد کیا۔ کَمَا قَالَ تَعَالَى الَّذِينَ يُلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلِيَجِدُوا
 فِيكُمْ غُلَظَةً حضور پُر نور کے تمام غزوات اور جہادات اپنی ہی قوم اور اپنے ہی خویش
 واکا رب اور اپنے ہی اعزاء اور اصحاب ہی سے تھے کسی غیر ملکی اور اجنبی قوم سے تو نہ
 تھے، جنگ بدر میں مہاجرین کے سامنے کسی کا باپ تھا اور کسی کا خلیفہ جگر اور کسی کا بھائی
 اور کسی کا چچا اور کسی کا ماموں اور عام رشتہ داری تو کبھی سے تھی محض اللہ اور اس کے
 رسول اور اس کے دین کے لیے صحابہ کرام کی تقابے در تقابے نیام تھی رضی اللہ عنہم
 ورضوا عنہ۔ واہ واد۔ ایمان ایسے ہی عشق کا نام ہے جس کے سامنے بیلی اور مینوں کی
 تمام داستانیں گر دیں اور قرآن وحدیث جو ہجرت کے فضائل سے بھرا ہوا ہے اس
 ہجرت کا مطلب یہی تو ہے کہ خدا اور اس کے رسول کے لیے اپنے مال اور باپ اور
 بیوی اور بچوں اور خویش و اقارب سب کو چھوڑ دینا قوم کا تو ذکر ہی کیا ہے، حجاب کرام
 نے جب ہجرت کی تو جس کی رفیقہ حیات اور محبوب بیوی نے کفر کو اسلام کے مقابلے
 میں ترجیح دی طلاق دے دی اور بیوی، بچوں اور مال دولت اور گھر بار چھوڑ کر نبی کے
 پیچھے ہوئے اور مدینہ کا راستہ پکڑا رضی اللہ عنہم وحشر ثانی زمزم واما تقاطعی فہم وسیر خیم
 آمین یا رب العالمین۔ اے میرے عزیز والے میرے دوست و قومیت اور وطنیت ایک
 فتنہ ہے بت پرستی کے بعد قوم پرستی اور وطن پرستی کا دلچسپ ہے۔ اور کفر و کفر اور

شرک دون شرک اور ظلم دون ظلم کا مصداق ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ اور إِنَّ الشَّكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا، کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں کو اپنا بھائی اور روئے زمین کے کل کافروں کو اپنا ایک دشمن سمجھو (کتیر) حق تعالیٰ نے ان الکافرین (جو کہ جمع ہے) اس کی خیر عدد اسینا ذکر فرمائی ہے جو کہ مفرد ہے اعداء نہیں فرمایا، اشارہ اس طرف ہے کہ روئے زمین کے تمام کافر مسلمانوں کی عداوت میں بمنزل ایک دشمن اور بمنزل شخص واحد کے ہیں جس میں ذرہ برابر تعدد اور اختلاف نہیں۔ وَاللَّهُ لَقَدْ هَدَىٰ آلَ الْعِزِّ الْعَظِيمِ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ وَالْمُشَاهِدِينَ۔ (سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۱، ص ۲۳، ۲۴)

اور اب انعام جہاد کا حکم بھی سن لیجئے:

”جہاد کی مختلف قسمیں ہیں، جہاد کی ایک قسم دفاع ہے جس کو دفاعی جہاد کہتے ہیں یعنی کافروں کی کوئی قوم ابتداً تم پر حملہ آور ہو تو تم اس کی مدافعت کے لیے ان کا مقابلہ کرو جہاد کی اس قسم کو حق تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُفَاغِلُوكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ

اور قتال کرو خدا کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی مت کرو تحقیق اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

أَذِنَ لِلَّذِينَ يُنَاقِلُونَ بَيْنَهُمْ ظُلُمًا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ

مسلمانوں کو ان کافروں سے جہاد قتال کی اجازت دی گئی جو کافر مسلمانوں سے لڑتے

ہیں اس وجہ سے کہ مسلمان ستم رسیدہ ہیں اور بیچک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد پر قادر ہے یہ مسلمان اپنے گھروں سے محض بے وجہ نکالے گئے سوائے اس کے کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار ایک اللہ ہے۔

جہاد کی دوسری قسم اقدامی جہاد ہے یعنی جبکہ کفر کی قوت اور شوکت سے اسلام کی آزادی کو خطرہ ہو تو ایسی حالت میں اسلام اپنے پیروؤں کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم دشمنان اسلام پر جارحانہ حملہ اور باہمانہ اقدام کرو کیوں کہ جب دشمنوں کی طرف سے خطرہ ہو تو احتیاط اور حفظِ مانتھم کا مقتضائیں ہے کہ تم ان پر جارحانہ اقدام کرو تاکہ اسلام اور مسلمان کفر اور شرک کے فتنے سے محفوظ ہو جائیں اور بغیر کسی خوف و خطر کے امن و عافیت کے ساتھ خداوند و الجلال کے احکام کو بجالائیں اور کوئی قوت و طاقت ان کو ان کے سچے دین سے نہ ہٹائے اور نہ پھیر سکے اور نہ کوئی طاقت قانونِ خداوندی کے اجراء و تنفیذ میں مزاحم ہو سکے۔ ایسے موقع پر قتل اور فراست تدبیر اور سیاست کا یہی مقتضی ہے کہ خطرہ کو پیش آنے سے پہلے ختم کر دیا جائے، اس انتظار میں رہنا کہ جب خطرہ سر پر آ جائے اس وقت مدافعت کریں گے یہ اعلیٰ درجہ کی حماقت اور سفاہت ہے جس طرح شیر اور چیتے کو قتل کرنے سے پہلے ہی قتل کر دینا اور کاٹنے سے پہلے ہی سانپ اور بچھو کا سر کچل دینا ظلم نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کا تدبیر اور انجام دہی ہے، اسی طرح کفر اور شرک کا سر اٹھانے سے پہلے ہی کچل دینا اعلیٰ درجہ کا تدبیر ہے جو رورقراق یا درندے اگر کسی جنگل اور بیابان میں جمع ہوں تو قتل اور دانا کی کا مختصی یہ ہے کہ قتل اس کے کہ وہ شہر کا رخ کریں ان کو آبادی کا رخ کرنے سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے درندوں کے قتل میں اقدام ہی قتل اور دانا کی ہے اور فافعلوا السطربین حیث

وَجَدْتُمُوهُمْ اور آیتما تَقِفُوا أَخَذُوا وَقَتِلُوا تَقْبِلًا میں اسی قسم کے کافر مراد ہیں۔ ورنہ ان کے قتل میں دفاع کا تصور کرنا اور یہ سوچنا کہ جب یہ درندے مل کر ہم پر حملہ آور ہوں گے اس وقت ہم ان کی مدافعت کریں گے، اس قسم کا تصور رائل قتل کے نزدیک کھلی ہوئی حماقت اور ہدائی ہے حق جل شانہ کے اس ارشاد سراپا ارشاد وَلَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَكُمْ طِينٌ میں اس قسم کا جہاد مراد ہے، یعنی اے مسلمانو تم کافروں سے یہاں تک جہاد و قتال کرو کہ کفر کا فتنہ باقی نہ رہے اور اللہ کے دین کو پورا غلبہ حاصل ہو جائے، اس آیت میں فتنہ سے کفر کی قوت اور شکست کا فتنہ مراد ہے اور وَيَكُونَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَكُمْ طِينٌ سے دین کا ظہور اور غلبہ مراد ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ یعنی دین کو اتنا غالب اور قوت حاصل ہو جائے کہ کفر کی حماقت سے اس کے مغلوب ہونے کا احتمال باقی نہ رہے اور دین اسلام کو کفر کے فتنہ اور فتنہ سے بالکل یہ طینتیں ماحصل ہو جائے۔

(سیرت مصلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، جلد دوم، ص ۳۰۲۹)

”ایام معدودہ (چند روزہ) کی مجاز میں بادشاہت جرمِ بغاوت کو ناقابل عفو قرار دیتی ہے اور تمام عقلاء اس کو حق اور صواب، سچا اور درست سمجھتے ہیں حالانکہ باغی شخص نہ بادشاہ کا حقوق اور پیدا کیا ہوا ہے اور نہ ذرہ برابر کسی چیز میں اس کا محتاج ہے۔

نہ معلوم پھر اس حکم الحاکمین اور رب العالمین اور خدائے ذوالجلال اور کبیر جلال اور اُس کے وزراء و پانچین یعنی حضرات انبیاء و مرسلین سے اغواء (کفر) کو کیوں معمولی اور حقیر سمجھتے ہو اور خداوند قدوس کے وزراء سے سرتابی کرنے والوں کی سرکوبی اور اذکار سے گردن کٹنے والوں کی گردن گشی کو کیوں ظلم اور تعدی خیال کرتے ہو۔

سولطین عالم کا اپنے مخالفوں پر فوج کشی کر کے کسی کو قتل کرنا اور کسی کو سیر کرنا اور ان کے دل اور اسباب کو ضبط کرنا اور پھر اس مال کو خیر خواہان سلطنت اور وفادارانہ حکومت پر بطور امانت تقسیم کرنا میں شانِ شوکت و سلطنت کا اقتضاء سمجھتے ہو، لیکن اس حکم الہی کہیں اور شہنشاہِ ستموات و ارضین سے بغاوت (کفر) کرنے والوں سے جہاد و قتال اور ان کو امیر اور گرفتار کرنے اور ان کے تمام ہائے اور ان کے مال و متاع کے ضبط کرنے پر اعتراض کرتے ہو۔

پس جس طرح جنگ میں دشمن کو جانی نقصان پہنچانا بین سیاست اور فوجی تدبیر کا کمال ہے اسی طرح دشمن کی جنگی اور مالی قوت پر قبضہ کر لینا بھی فوجی تدبیر کا کمال ہے مجیب بات کہ یورپ دشمن کی مالی قوت پر قبضہ کرتا ہے تو اس کو سیاست اور فوجی تدبیر بتلایا جاتا ہے اور جب اسلام خدا کے یاغیوں کی مالی قوت پر قبضہ کرنے کے لیے پیش قدمی کرتا ہے تو اس کا نام لوٹ اور نہ رنگری ہو چکا ہے۔ پھر یہ کہ جب جنگ میں دشمن کی جان و مال کے لینا جائز ہے تو پھر اس کے مال کے مستحق یہ ہیں اس قدر شور و غوغا ہے، آخر اسلام نے جب کبھی کسی کاروان تباہت پر حملہ کرنے کے لیے پیش قدمی کی تو کیا وہ ان دشمنوں کا مقابلہ نہ تھا کہ جو اسلام کی جان و مال کے دشمن تھے ایسے لوگوں کی جان و مال پر پھسا پ مارنے کے لیے پیش قدمی کرنا کس آئین اور قاعدہ سے مہذب ہے اور پھر جب کہ وہ چھاپا مارنا مال حاصل کرنے کے لیے نہ ہو بلکہ فقط اس جہ سے ہو کہ یہ لوگ خدا اور دین الہی کے باغی اور سرکش ہیں علاوہ ازیں سولطین عالم کی فوج کشی کا باعث صرف نہ سببِ مصلحت ہے جو سب کے نزدیک روا اور جائز ہے۔ اور حضرت انبیاء علیہم السلام تو عالم کو جہاد اور صحیحہ گرام کا یہ تمام اقدامات اعلیٰ علیہ السلام اور اللہ اور اللہ کی حکومت قائم کرنے

کے لیے تھا کہ احکام خداوندی کی بے حرمتی نہ ہو سکے اور اشرار خداوند کریم کے احکام کا استہزاء اور تحقیر نہ کر سکیں اور خدا کے نام پر اپنے مولائے حقیقی کا اطمینان کے ساتھ نام لے سکیں، کفار و فجار چاہے ایمان لائیں یا نہ لائیں مگر انکم الظالمین اور شہنشاہِ سموات و زمین کے احکام کے اجراء و تنفیذ میں مزاحمت نہ کر سکیں۔

حضرت یوشع بن نون اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان اور حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا جہاد اسی غرض سے تھا کہ حضرت مسیح بن مریم قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہونے کے بعد اسی غرض سے وہاں اور اس کے لشکر کے ساتھ جہاد فرمائیں گے جیسا کہ رکاشفات یوحنا اور پولوس کے دوسرے خط و کتابتوں کے نام سے مصرح ہے۔ دنیا کی مہذب سے مبذوب آبادی اگر یہ چاہے کہ بدون حکومت و مصلحت اور بدون دہریہ و سطوت کے اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کر سکے تو ناممکن ہے یا کوئی حکومت اگر یہ چاہے کہ اپنی فکر و سیرام قبیحہ اور رسوم باطلہ اور خیالات فاسدہ اور اوہام و اہیہ کو بدون سیاست اور انتظام کے مناسبت و امکان سے باہر ہے۔

چند نصیحت ہے شک و شبہ کوثر ہے لیکن حکم طبیعتوں کے لیے۔ آپ کتنی سی اخلاص اور ہمدردی سے بہتر سے بہتر نصیحت فرمائیں لیکن ہمت و حرم طبیعتیں کبھی اثر پذیر نہیں ہو سکتیں۔

بنی نوع انسان کی طبائع یکساں نہیں۔ کسی کے لیے خدا نے کتاب اتاری اور کسی کے لیے لوہا اتارا۔ آقا اگر ہزار داعظف کر یہ چاہیں کہ اپنی تقریر دہلیز پر سے کسی قبیح رسم کو مٹا دیں تو نہیں مٹا سکتے مگر ایک شاہی فرمان وقت واحد میں ملک کے اس سرے سے اس سرے تک اس برائی کو مٹا سکتا ہے۔

نبی اکرم سید ولد آدم خاتم الانبیاء والمرسلین سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و صحابہ
اجمعین کو جب انکم الحاکمین اور شہنشاہ ستموات وارضین نے بشیر و نذیر بنا کر عالم کی
ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا تو اس وقت آپ بالکل تنہا تھے نہ کوئی آپ کا معین
و مشیر تھا نہ کوئی آپ کا وزیر یا تدبیر تھا۔

نبوت و رسالت کا اعلان فرمایا تو حیدر تائی کی دعوت دی کہ خداوند و الجلال کو ایک مانو
اور ایک جانو ایک سمجھو، اسی سے مانگو اسی کے سامنے جھکو، ہر نفس اور بے حیائی اور ہر
بری بات سے روکو اور محاسن اخلاقی اور مکامات اعلیٰ کی ترغیب دی غرض یہ کہ آپ نے
دنیا اور آخرت کی کوئی خیر اور بھلائی نہ چھوڑی کہ جس کی تعلیم و تلقین اور جس کا حکم نہ کیا
ہو اور دنیا اور آخرت کی کوئی برائی ایسی نہیں چھوڑی کہ جس سے منع نہ فرمایا ہو۔“

(سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) (جلد دوم) ص ۱۵۱۱۳

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحب مرحوم مغفور رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ انبیاء
کرام علیہم السلام کے ”جہاد“ کے بارے میں بائبل مقدس سے اس کے شواہد پیش
کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

گذشتہ جنمیں میں نے بھی کافروں کو قتل اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کیا، اور ان کے اسوا
کو ادا کیا، اور یہ چیزیں شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہیں، یہ
بات اس شخص پر چلی نہیں ہو سکتی جس نے دونوں عہد کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہوگا، گو اس کی
مثالیں اور شواہد بکثرت ہیں، مگر ہم نمونہ کے طور پر چند کے بیان پر اکتفاء کرتے ہیں:

کتاب استغفرہ باب ۴۰ آیت ۱۰ میں ہے:

”جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا،

اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے، اور اپنے چھانک تیرے لیے کھول دے، تو وہاں کے سب باشندے تیرے ہاجکدار بن کر تیری خدمت کریں، اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تو اس کا حاضرہ کرنا، اور جب خداوند تیرے خدا آئے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو توار سے قتل کر ڈالنا، لیکن عورتوں، اور بال بچوں اور چوپاؤں اور اس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لیے رکھ لینا اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی ہو لکھنا، ان سب شہروں کا یہی حال کرنا جو تجھ سے بہت دور ہیں، اور ان قوموں کے شہر نہیں ہیں، پر ان قوموں کے شہروں میں جن کو خداوند.... تیرا خدا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا ہے، کسی ذی نفس کو جیتا نہ بچا رکھنا، بلکہ تو ان کو یعنی حتیٰ اور اموری اور کنعانی اور فرزی اور عوی اور یہودی قوموں کو جیسے خداوند تیرے خدا نے تجھ کو حکم دیا ہے یا کل تیرے گردنا۔ (آیات ۱۰ تا ۱۷)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے چھ تباہ یعنی حتی، اموری، کنعانی، فرزی، عوی اور یہودی لوگوں کے حق میں یہ حکم دیا تھا کہ ان میں سے ہر جائدار کو توار کی دھار سے قتل کیا جائے، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں یا بچے، ان کے علاوہ دوسری قوموں کے لیے یہ حکم دیا گیا کہ پہلے ان کو صلح کی دعوت دی جائے، پھر اگر وہ قبول کر لیں اور اطاعت قبول کریں اور تزیہ ادا کرنا منظور کریں تو بہتر کریں، اور اگر وہ تیار نہ ہوں اور لڑائی کریں تو ان پر فتح حاصل کرنے کے بعد ان کے مردوں کو توار کے گھات، تار دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو زندہ کر لیا جائے اور ان کے جانوروں اور اموال کو لوٹ لیا جائے، اور مجاہدین پر تقسیم کر دیا جائے اور یہی معاملہ ان بستیوں کے ساتھ کیا جائے جو ان مذکورہ چھ تباہ سے دور واقع ہوں۔

صرف ایک ہی ایک ہی عبارت عیسائیوں کے تمام دہیات اعتراضات کے جواب میں کافی دشانی ہے، علماء اسلام نے، متقدمین نے بھی اور پچھلوں نے بھی اس عبارت کو عیسائیوں کے مقابلہ میں نقل کیا ہے، مگر عیسائی ہمیشہ اس کے جواب سے ایسے خاموش رہتے ہیں گویا انہوں نے مخالف کے کلام میں اس عبارت کو دیکھا ہی نہیں اور اس کا جواب ہی نہیں دیتے، نہ اقرار کے ساتھ نہ تاویل کی صورت میں،

دوسری مثال:

کتاب خروج باب ۲۳ آیت ۲۳ میں ہے

”اس لیے کہ میرا فرشتہ تیرے آگے آگے چلے گا، اور تجھے امور یوں اور وقتیں اور فرزیوں اور کنعانیوں اور حویوں اور چوبیسوں میں پہنچا دے گا، اور میں ان کو ہلاک کر ڈالوں گا تو ان کے معبودوں کو بھدو نہ کرنا، نہ ان کی عبادت کرنا، نہ ان کے سے کام کرنا، بلکہ تو ان کو بالکل اُلٹ دینا، اور ان کے ستونوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا۔“ (آیت ۲۳، ۲۴)

تیسری مثال:

کتاب خروج باب ۳۴ آیت ۱۲ میں انہی چھ قوموں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

”سو خبردار رہنا کہ جس ملک کو تو جانتا ہے اس کے باشندوں سے کوئی عہد نہ بنا، ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے لیے پھندا بن جائے، بلکہ تو ان کی قربانیاں کو ڈھا دینا، اور ان کے (ستونوں) کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا، اور انکی سیرتوں کو بگاڑ ڈالنا۔“

چوتھی مثال:

کتاب کنفی باب ۳۳ آیت ۵۱ میں ہے:

”بنی اسرائیل سے یہ کہہ دے کہ جب تم یرون کو عبور کر کے ملک کنعان میں داخل ہو تو تم

اس ملک کے سب باشندوں کو (وہاں سے نکال دینا) اور ان کے شہید اور پتھر دیں کو اور ان کے اذھالے ہوئے جن کو توڑ ڈالنا اور ان کے (سب اونچے مقاموں) کو مسما کر دینا۔ آگے آیت ۵۵ میں ہے:

”لکن اگر تم اس ملک کے باشندوں کو (اسپتہ آگے سے دور نہ کرو) تو جن کو تم باقی رہنے دو گے وہ تمہاری آنکھوں میں خار اور تمہارے پیلو میں (کانٹے) ہو گئے اور اس ملک میں جہاں تم ہو گے تم کو قتل کریں گے، اور آخر کو یوں ہو گا کہ جیسا میں نے ان کے ساتھ کرنے ارادہ کیا ویسا ہی تم سے کروں گا۔“ (آیات ۵۵، ۵۶)

پانچویں مثال:

کتاب السنن باب ۷ آیت ۷ میں ہے:

”جب خداوند تیرا خدا اٹھ کر اس ملک میں جس پر قبضہ کرنے کے لیے قہار ہا ہے پہنچا دے، اور تیرے آگے سے انہی بہت سی قوموں کو یعنی حتیوں اور جر جاسیوں اور اموریوں اور کنعانیوں اور غززیوں اور تویوں اور یوسبیوں کو جو ساتوں قومیں تھے سے بڑی اور زور آور ہیں (نکال دے) اور جب خداوند تیرا خدا ان کو تیرے آگے شکست دلائے اور تو ان کو مار لے تو تو ان کو بالکل نابود کر ڈالنا تو ان سے کوئی عہد نہ باندھنا، اور نہ ان پر رحم کرنا بلکہ تم ان سے یہ سلوک کرنا کہ ان کے مذہبوں کو ڈھا دینا، ان کے (ستونوں) کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا، اور ان کی بیہر قوں کو کاٹ ڈالنا، اور ان کی تراشی ہوئی صورتیں آگ میں جلا دینا۔“ (آیات ۵۳)

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سات قوموں کی نسبت یہ حکم دیا تھا کہ ان کے ہر جائیداد کو قتل کیا جائے، اور قطعی اُن پر رحم نہ کیا جائے، نہ ان سے کوئی معاہدہ

کیا جائے، ان کے مدح خانوں کو برباد اور بتوں کو توڑ دیا جائے، اور بتوں کو آگ لگا دی جائے، عبادتوں کو موقوف کیا جائے، اور ان کی بربادی میں کوئی کسر باقی نہ رکھی جائے، اور یہ بھی کہہ دیا کہ اگر تم ان کو ہلاک نہیں کرو گے تو میں پھر تمہارے ساتھ وہی معاملہ کروں گا جو ان کے ساتھ کرنے کا ارادہ کیا تھا، ان سات اقوام کی نسبت یہ بھی کہا گیا کہ جو ساتوں قومیں تمھ سے بڑی اور زور آور ہیں۔ ”ادھر کتاب نکلتی ہے باب میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ بنی اسرائیل کے ان لوگوں کی تعداد جوڑنے کے لائق اور بیس ۲۰ سال یا اس سے زیادہ عمر تک کے تھے چھ لاکھ تین ہزار پانچ سو پچاس تھی، اور اداوی کی اولاد مردہوں یا عورت اسی طرح باقی گیارہ خاندان کے لوگ اور مرد و جن کی بیس ۲۰ سال سے کم عمر تھی وہ اس شمار سے خارج ہیں، اس لیے اگر ہم تمام بنی اسرائیل کی تعداد کو ملحوظ رکھیں اور مترہک مردوں عورتوں کو بھی شمار کئے گئے افراد کے ساتھ شامل کر لیں تو پچیس لاکھ یعنی اٹھائی ملین سے کسی حال میں کم نہیں ہوں گے، اور یہ سات قومیں جب تعداد میں بھی ان سے زیادہ اور قوت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے تو یقیناً ان کی تعداد بنی اسرائیل کے شمار سے زیادہ ہوگی۔“

پہلی مثال:

کتاب خروج باب ۲۲ آیت ۲۰ میں یوں ہے کہ:

”جو کوئی واحد خداوند کو چھوڑ کر کسی اور معبود کے آگے قربانی چڑھائے بالکل نابود کر دیا جائے۔“

ساتویں مثال:

جس شخص نے بھی کتاب استغفار باب ۱۳ کا مطالعہ کیا ہوگا، وہ خوب جانتا ہے کہ غیر اللہ

کی عبادت کی دعوت دینے والا خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو واجب القتل ہے اس طرح
جوں کی پرستش کی دعوت دینے والے کو سنگسار کیا جانا ضروری ہے خواہ وہ رشتہ دار یا
کوئی دوست ہی کیوں نہ ہو اور اگر کسی ہستی کے لوگ ایسا کریں تو سب کے سب
واجب القتل ہیں، یہاں تک کہ اُن کے جانور بھی ہتھیاروں کی دھاروں سے قتل کئے
جائیں، اور بستی کو آگ لگا دی جائے، اور اس کی املاک و اموال کو بھی ایسا ڈھیر ہا دیا
جائے کہ پھر نہ بن سکے،

آٹھویں مثال:

کتاب استثناء باب ۷ آیت ۲ میں ہے:

”اگر تیرے درمیان تیری بہنیں میں جن کو خداوند تیرا خداتجھ کو دے کہیں کوئی مرد یا
عورت ملے جس نے خداوند تیرے خدا کے حضور یہ بدکاری کی ہو کہ اس کے عہد کو توڑا
ہو اور جا کر اور مجھوں کی یا سورت یا چاندیہ احرام فلک میں سے کسی کی جس کا علم میں
نہ تھے کو نہیں دیا، پوچھا اور پرستش کی ہو، اور یہ بات تجھ کو بتائی جائے، اور تیرے سنے
میں آئے تو تو چاہنے والی سے تحقیقات کرنا اور اگر یہ ٹھیک ہو اور قطعی طور پر ثابت
ہو جائے کہ اسرائیل میں ایسا عمروہ کام ہوا تو تو اس مرد یا اس عورت کو جس نے یہ بُرا
کام کیا ہو یا اپنے بھائیوں پر نکال لے جا، اور ان کو ایسا سنگسار کرنا کہ وہ سرجائیں۔“
نویں مثال:

کتاب خروج باب ۳ آیت ۲۱ میں ہے:

”اور میں ان لوگوں کو مصریوں کی نظر میں عزت بخشوں گا، اور یوں ہوگا کہ جب تم
لنگوے تو خالی ہاتھ نہ لنگو گے، بلکہ تمہاری ایک ایک عورت اپنی اپنی پڑوسی سے اور

اپنے اپنے گھر کی مہمان سے مرنے چاندی کے زیور اور لباس مانگ لے گی، ان کو تم اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو پہناؤ گے، اور مصریوں کو لوٹ لو گے۔ (آیات ۲۲، ۲۳)

پھر اسی کتاب کے باب ۱۲ آیت ۳۵ میں ہے:

”اور بنی اسرائیل نے موسیٰ کے کہنے کے مطابق یہ بھی کیا کہ مصریوں سے مرنے چاندی کے زیور اور کپڑے مانگ لیے، اور خداوند نے ان لوگوں کو مصریوں کی نگاہ میں ایسی عزت بخش کہ جو کچھ انھوں نے مانگا انھوں نے دیدیا۔ سو انھوں نے مصریوں کو لوٹ لیا۔“ (آیات ۳۵، ۳۶)

اب جب کہ بنی اسرائیل کی تعداد اس قدر تھی جتنی کہ زشت مثال میں معلوم ہو چکی ہے، اور ان کے ہر مرد و عورت نے مصریوں سے مستعد و چھریں لیں، تو مستعداری، دہلی اشیاء کی مقدار و تعداد کا شمار یقیناً احاطہ سے خارج ہے، جس طرح خدا نے ان سے پہلے وعدہ کیا تھا کہ تم مصر کو لوٹو گے، پھر وہاں بارہ خبر دی کہ مصریوں کو لوہہ، مسخدا نے لوٹنے کے لیے دکاری اور فریب دہی کو جان کر کیا، یا جو سراسر ان نظام میں غدار و دھوکہ ہے۔

دوسری مثال۔

کتاب خروج باب ۳۲ آیت ۲۵ میں پتھر کے کی پرستش کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ لوگ (عریاں) ہو گئے، کیوں کہ بارہ دن پہلے انھوں نے ان کو (بچا کر کے) ان کو ان کے دشمنوں کے درمیان ذلیل کر دیا تو موسیٰ علیہ السلام نے لشکر گاہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا جو جو خداوند کی طرف ہے وہ میرے پاس آجائے، تب سب بنی لاوی اس کے پاس جمع ہو گئے، اور اس نے ان

سے کہا کہ خداوند اسرائیل کا خدا میں فرماتا ہے کہ تم اپنی اپنی ران سے تلوار لڑ کر
 چٹا تک چٹا تک گھوم کر سارے لشکر گاہ میں اپنے اپنے بھائیوں اور اپنے اپنے ساتھیوں
 اور اپنے اپنے بڑوسیوں کو قتل کرتے پھرو، اور بنی لاوی نے موسیٰ علیہ السلام کے کہنے
 کے دافق عمل کیا، چنانچہ اس دن لوگوں میں سے قریباً (تیس ہزار) مرد کھیت آئے۔
 یاد رکھیے کہ عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۱ء، ۱۸۳۴ء و ۱۸۴۸ء جس سے میں نے یہ عبارت
 نقل کی ہے اس میں ”تیس ہزار“ ہی کا لفظ ہے،
 گیا رہیں مثال:

کتاب گنتی باب ۲۵ میں ہے کہ بنی اسرائیل نے جب موسیٰ کی باتوں سے ڈر کر کیا،
 اور ان کے بتوں کو بخیرہ کیا، تو خدا نے ان کے قتل کا حکم دیا، پھر موسیٰ علیہ السلام نے ان
 کے چوبیس ہزار آدمی قتل کئے۔
 بارہویں مثال:

جس شخص نے کتاب گنتی باب ۳۱ کا مطالعہ کیا ہوگا، اس پر یہ بات واضح ہو گئی ہوگی کہ
 موسیٰ علیہ السلام نے لیئیس بن عازر کے ہمراہ بارہ ہزار آدمیوں کا لشکر اٹھایا، ان سے
 جنگ کرنے کے لیے روانہ کیا، پھر انہوں نے لڑکر ان پر غلبہ حاصل کر لیا، اور ان کے
 تمام مردوں کو، نیز چائے بادشاہیوں اور بلعام کو بھی قتل کیا، اور ان کی عورتوں، بچوں اور
 تمام جانوروں کو قید کیا، ہستیوں اور شراب خانوں اور شیروں کو آگ لگا کر خاکستر کر
 ڈالا، پھر جب وہ واپس لوٹے تو موسیٰ علیہ السلام پر غضب ناک ہوئے کہ تم نے
 عورتوں کو زندہ کیوں چھوڑا؟ پھر ہر بائیس بچے اور ہر شادی شدہ عورت کے قتل کا حکم دیا،
 اور کنواریوں کے چھوڑنے کا، پھر انہوں نے حکم کے مطابق عمل کیا، صرف مال غنیمت

سے حاصل ہونے والی بٹیوں کی تعداد چھ لاکھ چھتر ہزار تھی، نیز ہجرت ہزار قبل، داکسٹھ ہزار گدھے، اور تیس ہزار کنواری لڑکیاں تھیں، اور ہر مجاہد کو جانوروں اور انسانوں کے ساتھ سب مال دیدیا گیا جو اس نے لوٹا تھا، بس کی مقدار اس باب میں کچھ واضح نہیں کی گئی اس کے علاوہ ہزاروں اور سینکڑوں کے افسران نے موسیٰ علیہ السلام اور عازرا کو جو سونا پیش کیا اس کی مقدار سولہ ہزار سات سو پچاس مثقال تھی، اور جب کہ صرف کنواری لڑکیوں کی تعداد تیس ہزار تھی، تو مقتول مردوں کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں کہ کس قدر ہوں گے؟ بوزھے ہوں خواہ جوان، یا بچے اور شادی شدہ عورتیں۔ (بائبل سے قرآن تک، ص ۴۵۵-۴۶۴)

”جہاد“ کے حوالے سے اکیسویں مثال کے ذیل میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ۔

”عبرانیوں کے نام خط کے باب ۱۱ آیت ۳ میں ہے۔

”اب اور کیا کہوں؟ اتنی فرصت کہاں کہ جدمعون اور برق اور شمعون اور اتاہ اور داود اور سوئیل اور نبیوں کا حال بیان کروں؟ انھوں نے ایمان ہی کے سبب سے سلطنتوں کو مغلوب کیا، راست بازی کے کام کئے، شیروں کے منہ بند کئے، آگ کی تیزی کو بجھایا، کمزور کی دھار سے بچ نکلے، کمزوری میں زور آور ہوئے، لڑائی میں بہادر بنے، غیروں کی فوجوں کو بھگا دیا۔“ (آیات ۳۲-۳۳)

”مقدس“ پلوس کے کلام سے یہ بات صاف ہوتی کہ ان بیٹھبروں کا ان لوگوں کو مغلوب کر لیتا، اور ان کی آگ کو بجھا دیتا اور تھوڑی دھار سے نہات پانا اور کافروں کے لشکروں کو شکست دینا، نیکیوں میں شمار کیا گیا ہے، نہ کہ کناؤ کی قسم میں، جس کا فناء

ایرانی قوت ہے، اور خدائی وعدوں کی تکمیل نہ کہ قسوتِ قلبی اور ظلم۔“

(بائبل سے قرآن تک، ص ۳۶۸)

اسی طرح ”بائبل سے قرآن تک“ کے صفحہ ۴۷۰ پر مولانا کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، کہ:

”مذہبِ شریعت کے تمام مূলِ احکام کے لیے ضروری نہیں کہ آنے والی شریعت میں بھی وہ بعینہ باقی رہیں، بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ مূলِ احکام کسی ایک شریعت میں ہمیشہ یکساں رہیں، بلکہ ہو سکتا ہے کہ مصالح اور زمانہ اور مکلفین کے بدل جانے سے وہ احکام بالکل بدل جائیں، یہ تفصیل باب ۳ میں کافی سے زیادہ قارئین کو معلوم ہو چکی ہے۔ ابتداً شریعت موسویہ میں ”جہاد“ ایسے شیعہ ظلم والے طریقوں کے ساتھ شروع تھا، جس کی مشروعیت شریعتِ عیسوی میں پائی نہیں رہی، بنی اسرائیل کو بھی جہاد کا حکم مصر سے نکلنے کے بعد ہوا تھا، اس سے قبل جہاد کی ان کو اجازت نہ تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام اپنے نزول کے بعد دجال اور اس کے لشکر کو قتل کریں گے، جس کی تصریح تحفہ مستند کیوں کے نام دومرے خط کے باب ۲ اور مشاہدات کے باب ۹ میں موجود ہے۔ (بائبل سے قرآن تک، ص ۳۷۰، ۳۷۱)

ہشپ صاحب! یہ بہت ممکن ہے، کہ مذکورہ بالا جتنے حوالہ جات میں نے ”جہاد“ اور نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے نقل کیے ہیں، وہ محض اس لیے آپ کے یہاں قبول نہ ہوں، کہ یہ اہل اسلام کی کتب کے حوالہ جات ہیں۔

لیکن ممکن ہے، کہ آپ بائبل مقدس کے مذکورہ بالا حوالہ جات اور غیر مسلم مصنف آرزو بیواہر کاٹ کے ان الفاظ سے صرف نظر نہ کر سکیں۔

”اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ دنیا کے بیشتر مذاہب تو اوار علاقہ کے مل بوتے پر پھیلائے گئے۔ احیٰ میں مسلمانوں کی حکومت کو ختم کر کے مسلم آبادی کو جبراً عید مائی بنایا گیا۔

اس کے برعکس محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکمت عملی اختیار کی وہ انسانی تاریخ کا روشن ترین باب ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی برتری و عناد و شہسختی، تعزیری اور انتقامی سزاؤں کے بغیر میدان کارزار میں بہادری کے ابواب تحریر کے کھلی جنگ میں کوئی گھٹیا اور پست حربہ اختیار نہیں کیا۔ (Islam and its founder 1875)

(تجلیات سیرت ﷺ، ص ۱۳۸)

ایک اور یورپی مصنف لین پول فتح مکہ کے تاریخی واقعہ پر لکھتا ہے کہ:

”حقائق ختم ہوتے ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دن اپنے دشمنوں پر فتح پائی اور جو ان کی عظیم ترین فتح تھی۔ وہی دن دراصل محمد ﷺ کی ذات اور انسانیت کی عظیم ترین فتح کا دن تھا۔ آپ ﷺ نے مکہ کے لوگوں کو عام معافی دیدی۔ یہ وہی لوگ تھے جن کے ناقابل بیان مظالم اور اذیتوں کا آپ ﷺ نشانہ بنے رہے تھے۔ انسانی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جس طرح محمد ﷺ فتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے دنیا کا کوئی فاتح اس طرح مفتوحہ شہر میں داخل نہیں ہوا۔“ (ملاحظہ ہو Studies In Mosque (تجلیات سیرت ﷺ، ص ۱۱۰)

باقی آپ کا اپنے بارے میں یہ فرمانا کہ:

”ہم اسن پسند ہیں“، جی ہاں جناب! آپ کی ”اسن پسندی“ کے ڈٹکے تو دنیا میں

ہر طرف بک رہے ہیں، اور آپ کی "امن پسندی" کو ماضی اور حال کے مسلمان اچھی طرح جانتے ہیں۔ خصوصاً حالیہ واقعات کی روشنی میں عراق، افغانستان، غزہ اور دیگر اسلامی ریاستوں کے بے گناہ مسلمان، بھگن، بھائی، اور معصوم بچوں کا خون ناحق آپ کی "امن پسندی" کے کھلے ہوئے ثبوت ہیں۔

ادراپ آپ کے خط کا یہ حصہ۔ آپ لکھتے ہیں:

"قرآن کی حقیقت و قوانین آپ نے جناب **علیہ السلام** کی مصلحتوں کو اپنی جان و روئے قرآن کے مطابق، کسی مفید و کفارہ بلکہ نجات کے واحد راستے سے اور چائی سے، روپٹی ہے۔ میرے اس خط سے یقیناً آپ کا اسلام تو خطرے میں پڑ جائے گا، اور پشینہ بدالتوں کی منتیں اٹھیں گے گی۔ لیکن انجیل مقدس میں لکھا جواب "جان دے تم، تو اور تو میں تجھے زندگی کا تاج دوں گا" (مکاشفہ ۱۰۲)

آپ جناب نے انتہائی دانشمندی اور پوشیدہ انداز میں (اسلام کے خلاف پمفلٹوں پر ہزاروں سے زائد نو، بین الاقوامی تعلیم کا، جبرین اصول اور مضابطہ کوہ کر) دھمکی بھی دے دی ہے اور اس کے پس منظر میں C-295 کا بے ایمان اور غلط قانون ہے۔ پاکستان میں اقلیتوں اور بالخصوص مسیحیوں کے ساتھ بالخصوص انصافیوں کا انتہائی منحوس کا اہل اور اسے ناکہ قانون کا بنایا جانا اور حقیقت اسلام کی مذہبی اقدار کا انتہائی کمزور ہونا ہے۔ کیوں کہ اگر اقلیتوں کو مکمل تعلیقی مرکزیت کی اجازت دے دی گئی تو آپ کے سچے کچھ نہیں رہے گا اس لیے آپ حضرات قلمبند اور پریشان ہی کیوں کہ آپ اپنی اندرونی کیفیت سے بخوبی واقف ہیں، اس لیے آپ قلمی **علیہ السلام** کو (C-295) سے اقلیتوں (بالخصوص مسیحیوں) کو تعصب و تکفیر و نسل کشی کا نشانہ بنا کر اپنی کمزور اسلامی اقدار

کو ملک پاکستان میں محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔

”مذہبی جنون ج۔ 295 یعنی سرخ رسول کے کالے قانون کا استعمال آج تک مسلمان
بھائیوں نے صرف اپنے ذاتی و کاروباری دھاتوں اور اقلیتی بھائیوں کی ترقی کو معزلی میں
تبدیل کرنے کے لیے استعمال کیا ہے، جس کو بڑی مکاری و مکاری سے اور مذہبی جنون
و ہوش کا ہوس و بکر، مسلمان بھائی اقلیتوں (بالخصوص مسیحیوں) کا قلع قمع کرنے میں لگے
ہوئے ہیں۔ کیوں کہ بقول آپ کے پورچین ممالک میں بھی ایسے قوانین ہیں، لیکن آج
تک وہاں کسی مسلمان نے ذاتی دشمنی کے لیے ان قوانین کا استعمال کی مثال نہیں ملتی بلکہ
یورپ میں اخلاقی آزادی اور یکساں مرام کے نام پر بھانے کیا گیا ہوتا ہے، لیکن اس کے
باد جو دان کی بر میدان میں کامیابی اور ترقی کس سے پوشیدہ نہیں اس کی بنیادی وجہ ان کی
مذہبی تعداد کی مقبولیت سے، جس کو سب راویہ کے لیے ج۔ 295 کے قانون میں اور
یہ سب کچھ کی ضرورت نہیں جیسا کہ اس ملک میں ہے۔

اس لیے جناب سابق پرنسپل کندن صاحب اگر واقعی آپ کو تلخ کرنے کا شوق ہے تو
بات کرنے کے ساتھ بات سننے کا حوصلہ بھی رکھیں اور اس بات کو یاد رکھیں کہ

”تو کیوں اپنے بھائی کی آنکھ کے ٹکے کو دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کے شہتر پر غور نہیں
کرت؟ اور جب تیری ہی آنکھ میں شہتر ہے تو تو اپنے بھائی سے یہ نہ کہہ سکتا ہے کہ
لا تیری آنکھ میں سے نکال نکال دوں“ اسے ریا کار پہلے اپنی آنکھ میں شہتر نکال پھر اپنے
بھائی کی آنکھ میں سے نکلے گا اچھی طرح دیکھ کر نکال سکے گا۔ (متی: ۷: ۵۳)“

بشپ صاحب بحیثیت راہنما آپ اس بات سے بخوبی واقف ہیں، کہ بائبل کے
بعض ابواب ایسے ہیں، کہ ان میں انبیاء کرام علیہم السلام جیسی مقدس اور پاکباز

ہستیوں سے منسوب ایسے شرمناک اور دیکھو دو داستانیں درج ہیں:

کہ انھیں عام شرافت انسانی سے بھی تصور نہیں کیا جاسکتا، اس لیے ایمان اور عقیدت اس بات کا تقاضہ کرتے ہیں، کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام عظیم جیسی مقدس ہستیاں، جو انسانی ہدایت کا ذریعہ اور راہنما ہوا کرتی ہیں، ان کی ذات پر کھٹنے والی ہر بد زبان کو مکمل طور پر بند رکھنے کے لیے وہ شرعی قوانین جو قرآن و حدیث میں موجود ہیں، لاگو کیے جائیں، تاکہ عصمت انبیاء کرام علیہم السلام کا مستقل اور مکمل تحفظ قیامت تک کے لیے برقرار رہے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

”جو شخص حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرے یا آپ ﷺ کے علاوہ اور کسی نبی کی شان میں چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر اسے قتل کیا جائے گا، اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔“ (۱) (امام ابو موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ اور قانون توہین رسالت میں، ص ۱۱)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”العبارم المسلول علی شاتم الرسول“ میں رقم طراز ہیں:

”جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی، مسلمان ہو یا کافر اس کو قتل کرنا واجب ہے، اور یہ عام اہل علم کا مسلک ہے۔ پھر انہوں نے ابو بکر بن المذہب کا وہ کام نقل کیا ہے جو قاضی میاضؒ نے کتاب الشفاء میں لکھا ہے پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے فرمایا کہ ابو بکر فارسی جو کہ امام شافعیؒ کے ساتھیوں میں سے ہیں، نے اس بات پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی اس کی سزا قتل ہے۔ یہ اجماع جو انہوں نے بیان کیا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کے زمانہ کے اجماع پر محمول ہے یا

اس سے ان کی مرا مسلمانوں کا وہ اجماع ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا مسلمان یا کافر ہے تو اس کو قتل کرنا واجب ہے۔“ یہی اہل اسلام کا مذہب ہے۔“ (ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت، ص ۱۵۲)

بشپ صاحب یہاں قابل غور نکتہ یہ ہے، کہ اوپر مذکورہ اس شرعی حکم میں دو جگہ یہ بات منقول ہے، کہ نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والا مسلمان ہو یا کافر اُسے قتل کیا جائے گا، جنی اس ”حدومزا“ کے دائرے میں غیر مسلم ہی نہیں خود مسلمان بھی آتے ہیں، اس لیے آپ کے اس کہنے کی کوئی حیثیت نہیں، کہ:

”اس لیے آپ نقلی غلطی تدار (C-295) سے آتی توں (بالحدیث مسیحیوں) ہوتا ہے۔

رنگ و نسل کا نشانہ بنا کر اپنی کٹر دراسلامی اقدار کو مالک پالستان میں مظلوم رکھے ہوئے

ہیں۔“

قانون توہین رسالت (غلام حسین) کیوں؟ اور کس لیے ضروری ہے، ملاحظہ ہو:

”چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ اور اسوہ حسنہ ایک نمونہ کامل کی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے اسلام کی اساسی تعلیمات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم لازمی حیثیت اختیار کر گئی ہے اور اس لیے ہر اس بات اور عمل کو جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ذات پر حرف گیری کا شائبہ تک بھی ہو بخفی سے منع کیا گیا ہے۔“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ اللعالمین ہیں اور امت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رحمت بے مثال رہی ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار حاصل تھا کہ اپنے دور میں، جو اسلام کے آغاز اور انقضاء کا دور تھا، اس سلسلے میں سختی و نرمی اور غلظت

درگزر کی ایسی مثالیں قائم فرمائیں جو اس وقت کے حالات سے مناسبت رکھتی ہوں لیکن امت مسلمہ کے کسی فرد کا یہ حق کبھی تسلیم نہیں کیا گیا کہ وہ اس ضمن میں خود اس قسم کی حرکتوں میں مددگار نہ رہا۔ امت کا مفاد بھی اس کا متقاضی ہے کہ اس عظیم ترین مرکز کی شخصیت کے حقوق اور مفادات کا دفاع کرے تاکہ معاشرے میں امن و امان برقرار رہے اور افراد کی اصلاح کے لیے بھی ضروری ہے کہ اس مثالی شخصیت کے ساتھ عقیدت و محبت میں بذریعہ جبر بھی کمی نہ ہو۔ عشق رسول لازمہ ایمان ہے اور ہر مسلمان کے دلوں میں خون کی طرح جاری و ساری ہے۔ حقیقی مسلمان کبھی بھی یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی دریدہ دہن شان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی گستاخی کا بھی مرتکب ہو۔ تاویخ شاہد ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان نے بھی اپنے خونی رشتے داروں کے ضمن میں چشم پوشی یا غمخوردی درگزر سے قویٰ کام لیا ہوگا، مگر ختم الخیریت، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اللہ میں کبھی بھی وہ درود و عاریت کا روادار نہیں ہوا اس لیے اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قانون میں جہاں حدود و قصاص اور تعزیرات کے ضمن میں جرائم کی مختلف اقسام کے لیے سزائیں موجود ہیں، ان میں گستاخ رسالت مآب کے لیے قرار واقعی سزا موجود ہو تاکہ ضامن و امان کا کوئی مسئلہ کھڑا ہوا اور نہ فدا یان رسول کی آزمائش سے دو چار ہوں۔“

(ناموں رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت، ص ۲۳، ۲۴)

بشپ صاحب! آپ کہتے ہیں کہ:

”C-295 یعنی گستاخ رسول کے کالے قانون کا استعمال آج تک مسلمان بھائیوں

نے صرف اپنے ذاتی بگاڑ و باری رقابتوں اور اقلیتی بھائیوں کی ترقی و تہذیبی

تبدیل کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔“

لیکن! جناب والا حقیقت آپ کے مذکورہ بالا بیان سے بالکل مختلف ہے، اور وہ یہ ہے کہ:

”پاکستان کے چند مشرے پند متعصب عیسائی یہود اور بنود کی بھیا تک سازش کے تحت اسلامی مملکت پاکستان میں اسپین کی طرح دہرانا چاہتے ہیں تاکہ اس ملک کی بنیادوں کو بھی متزلزل کر دیا جائے۔ چنانچہ گلگت و بلتستان کا عیسائی اسسٹنٹ ڈائریکٹر انور کینچھ نے اپنے علاقے کے انسپکٹر پولیس کو خط بھیجا جس میں رسول کریم ﷺ کو شرمناک کالیاں لکھی ہوئی تھیں جس پر تو بین رسالت کے جرم C-295 میں چالان عدالت ایڈیشنل سیشن جج لاہور میں پیش کروا گیا۔ جج موصوف نے ملزم کو جرم کی لومیت اور اس کی سزا سے آگاہ کرنے کی کوشش کی مگر اس بد بخت نے عدالت میں بھی حضور اکرم ﷺ کو کالیاں دیں۔ عدالت نے پوری طرح اطمینان کرنے کے بعد کہ ملزم جتنی طور پر پاگل نہیں ہے اس کے خلاف تو بین رسالت کے جرم کے تحت کارروائی شروع کی۔ ملزم کو اپنی صفائی اور معاونت کے لیے حکومت کی طرف سے بلا معاونہ وکیل فراہم کرنے کی پیش کش کی گئی لیکن اس نے صفائی پیش کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ بالآخر اسے قانون کے مطابق سزا دے کر اس کا کیس ہائی کورٹ لاہور میں بطور ریفرنس بھیج دیا گیا۔“

(ناموس رسول ﷺ اور قانون تو بین رسالت، ص ۲۵۹، ۲۶۰)

”اسی طرح ایک نوجوان مسلمان و بیہ الحس کو عیسائی ہمارے کے بعد یوسف مسیح کے نام سے جو مظلوم ملایا اور خود راقم کو بھیجے گئے اس میں عظیم عظیم ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کی سماجزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایسی

نئی گالیاں لکھی گئی ہیں جو ایک مسلمان تو کیا کسی غیر مہذب شخص کے لیے بھی ناقابل برداشت ہیں۔ عدالت سیشن جج سے سزا کے بعد اس کا گتہاں ہائی کورٹ توثیق کے لیے بھیج دیا گیا۔ پاکستان کی رواداری اور مذہبی آزادی کے باوجود ایک عیسائی گروہ جہذیبوں کے نام پر فتنہ اور فساد برپا کرنا چاہتا ہے کیوں کہ وہ ایک نظریاتی اسلامی ملک کو عیسائیت کے لیے خطرناک سمجھتے ہیں۔“

(ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت، ص ۲۶۰)

بشپ صاحب! اس کے ساتھ ساتھ آپ کے علم میں یہ بات بھی ہونی چاہیے کہ: ”قانون توہین انبیاء علیہم السلام دنیا کے تقریباً تمام ملکوں میں تھوڑی بہت معمولی تبدیلیوں کے ساتھ نافذ رہا ہے۔ یونان، کینیڈا، بھارت، پاکستان کے مطابق اکثر مشرقی اور یورپی ملکوں میں ”پلاس فی“ لاکسی نہ کسی صورت قابل مواخذہ جرم رہا ہے، آسمانی صحائف کو ماننے والی اقوام جہاں بھی حکمران رہی ہیں وہاں توہین رسالت کی سزا، سزائے موت پر عمل درآمد ہوتا رہا ہے۔“

(ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت، ص ۲۱۸)

لہذا:

”جسکی برادری کو تو قانون توہین رسالت کا خوش دلی سے خیر مقدم کرنا چاہئے تھا۔ کیوں کہ اس قانون کی رو سے جناب محمد ﷺ اور دیگر انبیائے کرام ہم اسلام جنہیں عیسائی اور مسلمان سب ہی اپنا پیغمبر برحق مانتے ہیں۔ ان کی شان میں گستاخی اور اہانت قابل تعزیر جرم بن گیا ہے اور ان کی اہانت اور توہین کی وہی سزا مقرر ہے جو خاتم الانبیاء حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں گستاخی کی سزا ہے۔ مسلمان

ان تمام پیغمبر کرام کا اسی طرح احترام کرتے ہیں جیسا کہ یہودی اور عیسائی اپنے پیغمبروں کا احترام کرتے ہیں، اس لیے وہ ان کے بارے میں کسی قسم کی گستاخی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ان پیغمبروں کے علاوہ اسلام کے احکام کے مطابق مسلمانوں کو دیگر مذاہب کے پیشواؤں کے خلاف بھی اہانت کی اجازت نہیں اور نہ ہی انہوں نے آج تک ایسی شرارت کی ہے۔

اسی کتاب میں ہم نے یہودی فلم ساز مارٹن اسکورسس کی انتہائی شرمناک فلم ”مسیح کی آخری ترغیب“ (The Last Temptation of Christ) کا تفصیلی ذکر کیا ہے، جو سال ۱۹۸۸ء میں لندن کے سینما گھروں میں دکھائی جا رہی تھی، جس میں معاذ اللہ جناب ﷺ کے ایک طوائف کے ساتھ تعلقات کے مناظر دکھائے گئے ہیں۔ میں ان دنوں لندن میں مقیم تھا۔ ہماری دینی حیات سے برداشت نہ کر سکی، چنانچہ ہماری اس اوٹیل پر، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف عیسائیوں ہی کے نہیں بلکہ مسلمانوں کے لیے بھی واجب الاحرام پیغمبر ہیں لہذا اس فلم کی نمائش بند ہوئی چاہیے۔ لندن میں مسلمانوں نے خاموش احتجاجی مظاہرے کیے، جس پر بالآخر وہ فلم لاپ ہو گئی۔

سچی برادری اور اعلیٰ ترین فرقوں کے درمیان اور ان کے پیروکاروں کی نیت پر ہمیں شبہ نہیں۔ جب وہ ہمارے پیغمبر کی توہین اور گستاخی نہیں کریں گے تو پھر انہیں ڈر اور خوف کس بات کا ہے۔ کیا قانون بلا وجہ ان کے خلاف حرکت میں آ جائے گا یا پھر پاکستان کی عدلیہ بے گناہ لوگوں کو جو توہین رسالت کے جرم نہیں، پھانسی کی سزا سنائے گی یا وہ پاکستان میں پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف گستاخی اور توہین کے لیے کھڑا لائسنس

عطب کر رہے ہیں؟ جب ان میں سے کوئی بات بھی قرین قیاس نہیں تو پھر اس قانون کی منسوخی کے مطالبہ کا آخر کیا جواز باقی رہ جاتا ہے؟

(ناموس رسول ﷺ اور قانون تو جین رسالت، ص ۵۳، ۵۴)

اور اب آپ کے خط کی آخری سطور:

آپ اور آپ کے مدارس: "اس ملک میں دینی مدارس اور اداروں کا فرض اور نفل یہ ہونا چاہیے تھا کہ وہ کمزور اسلامی اقدار کو ڈھانکنے کے لیے خود کوئی ضابطہ حیات وجود میں لاتے تاکہ امن اور سلامتی کی جانب یہ ملک گامزن ہوتا لیکن اس کے برعکس یہ مدارس و ادارے اقلیتوں اور بالخصوص مسیحیوں کے خلاف تعصب کو پروانے والی بھرپور کتب کو ترویج کرنے اور فسادات کو پھیلانے والا جہاد کا لفظ و جذبہ غوام میں غلط طریقے سے ابھارنے میں اپنی مادی توانیاں صرف کرنے میں مصروف ہیں جو کہ درحقیقت اسلام کے واضح پہلوؤں اور آئین کے مطابق ہیں۔

آخر میں اسید ہے آپ جناب و معبودوں سے اس کڑے خط کی سچائیاں کو قبول کرتے ہوئے اور اس خط کو عوام میں اشتعال دلانے کے لیے استعمال نہ کرتے ہوئے میرے منظرے کی دعوت کو قبول کریں، بیشک آپ اپنی مرضی کے مطابق وقت اور مقام کا تعین کریں اس منظرے میں مکمل مذہبی کے ساتھ دلائل باری کی اجازت ہو تاکہ روبرو جوتے ہوئے آپ سچائی سے واقف ہوں جو کہ آپ کو آزاد کردوائے گی، دوسری صورت میں آپ میرے امی میل یا ویب سائٹ پر میرے ساتھ رابطہ کر سکتے ہیں تاکہ ہم تعصب کی لفظی بیماری سے نجات حاصل کرتے ہوئے اور C-295 سے کالے قوانین کا خاتمے کے لیے مل کر آواز اٹھائیں اور ایک دوسرے کے مددگار بنیں

عزت کرتے ہوئے مذہبی ہم آہنگی کو فروغ دیں اور اس ملک میں اقلیت اور اکثریت
مل جل کر اس طور پر بھائیوں کی طرح رہیں اور دوسروں کے لیے ایک مثال بنیں۔“

بشپ صاحب! جس طرح دنیاوی تعمیر و ترقی اور مادی فوائد و وسائل کے لیے
معاشرے کے بچے، بچیاں، اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں کا رخ کرتے ہیں، اسی طرح
”روحانی“ تعمیر و ترقی کے لیے ان مدارس دینیہ میں قال اللہ قالہ رسول (ﷺ) کی
پائیزہ تعلیمات دی جاتی ہیں، تاکہ یہاں کا فارغ التحصیل طالب علم معاشرے کے
فائدہ دار فرد کی حیثیت سے معاشرے کے مختلف شعبوں میں وقتاً فوقتاً ہونے والے بیگاڑ
و کمزوریوں کی نشاندہی کرے، اور قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا حل پیش کرے۔
اس لیے مدارس دینیہ کے جتنے بھی شعبے تعلیم و تعلم سے منسلک ہیں، ان سب کا
مقصد معاشرے کی دینی بنیادوں پر اصلاح و تربیت ہے، اس لیے اُمید کرتا ہوں کہ
مذکورہ بالا سطور سے آپ کو مدارس دینیہ کا ”فرض و فعل“ سمجھ آ گیا ہوگا۔

نیز یہ کہ آپ اپنے خط کے مندرجات سے خود بھی مطمئن نہیں، اور اس کا واضح ثبوت
آپ کے خط کے یہ الفاظ ہیں، جس میں مشورہ دیتے ہوئے آپ مجھے لکھتے ہیں کہ:
”اس کڑے خط کی چٹائیوں کو قبول کرتے ہوئے اور اس خط کو کام میں اشتغال
دلانے کے لیے اشتغال نہ کرتے ہوئے میرے مناظرے کی دعوت کو قبول کریں۔“

لہذا آپ کو بخوبی اندازہ ہے، کہ آپ نے آں حضرت ﷺ اور اہل اسلام پر
بے بنیاد اور حق پوشی کرتے ہوئے، اشتغال دلانے والی باتیں کی ہیں۔

اگر آپ اپنے عقائد و نظریات میں حق بجانب ہوتے، تو اپنے خط کی ہر بات کو دلائل
اور اہل جن سے ثابت کرتے، تاکہ، اپنے خط میں، عیاری، مکاری، کم ظرفی، منافقت، منافق

اور اس سے ملتے جلتے الفاظ لکھ کر مغلطات کہتے، ویسے بھی مذہبی عہدوں پر فائز لوگوں کے منہ سے ایسے الفاظ کی اداسگی، ان کے شایانِ شان نہیں ہوا کرتی۔

رہا آپ کا یہ فرمان کہ:

”ہم تہصیب کی لغتی بیماری سے نجات حاصل کرنے ہوئے اورح-295 جسے کالے

قبائلیں کا خاتمے کے لیے مل کر آواز اٹھا رہیں اور ایک دوسرے کے مذہب کی عزت

کرتے ہوئے مذہبی ہم آہنگی کو فروغ دیں اور اس ملک میں اقلیت اور اکثریت مل جل

کر نہ امن طور پر بھائیوں کی طرح رہیں اور دوسروں کے لیے ایک مثال بنیں۔“

بحیثیتِ نو مسلم میرے تجربے اور مشاہدے کی بات ہے، کہ اس ملک پاکستان میں

جس قدر ”مذہبی آزادی“ کے ساتھ ملتی اقلیت ”امن اور سلامتی“ کے ساتھ رہ رہی ہے،

اس کی مثال ماننا مشکل ہے، دور نہ جائیں پڑوسی ملک بھارت میں، کتنے ہی تجربوں پر

ہندو جنونیوں نے حملے کر کے آگ لگائی، کتنے ہی حملے مسیحی مشنریوں کی خواتین غر اور

پادریوں پر ہوئے، اور بعض وہ مشنری پادری جو بھارت میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ

مقیم تھے، ان پر بھی ہندوؤں نے حملے کیے، ان کے گھر آگ لگائی، اور خود ان اور ان

کے بیوی بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، ان حقائق کو تو آپ مجھ سے بھی زیادہ اچھی

طرح جانتے ہو گئے۔

مگر اس ملک پاکستان میں امن و سلامتی کے ساتھ رہنے کے باوجود، آپ اہل

اسلام کے مذہبی جذبات کو محجور اور ان میں اشتعال انگیز باتیں کرنے سے باز نہیں

آتے، کیا یہ اہل اسلام کی اعلیٰ رواداری کا ثبوت نہیں، کہ ان تمام باتوں کے باوجود

آپ لوگ پاکستان میں ”امن و سلامتی“ کے ساتھ رہ رہے ہیں، اور ”امن و سلامتی“

کے ساتھ اپنی صبح و شام کرتے ہیں،

آپ مجھے مناظرے کی دعوت دیتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ:

”میرے مناظرے کی دعوت کو قبول کریں، جب تک آپ اپنی مرضی کے مطابق وقت اور

مقام کا تعین کریں۔“

جناب بشارت صاحب! مجھے آپ کے مناظرے کی دعوت قبول ہے، اور میرا موضوع، ان شاء اللہ تعالیٰ بائبل ہوگا، اور آپ پر بحیثیت مسیحی لازم ہوگا، کہ آپ بائبل کو الحاق و ترمیم اور تحریف سے مزین ثابت کریں، اس مناظرے کے لیے ”مقام“ مرکز تحقیق اسلامی جامعہ اسلامیہ ٹرسٹ لاہور، ٹھیک رہے گا، ”وقت“ کے تعین کا اختیار اور حق بھی گو کہ آپ نے مجھے دیا ہے، مگر اس ”حق“ کو میں آپ کے لیے چھوڑتا ہوں، کہ اس مناظرے کے وقت کا تعین آپ کر لیں، اور مناظرے کی ”تاریخ مقرر“ سے ایک ماہ پیشگی مجھے مطلع فرمائیں۔

خالد محمود

سابق پرنسپل لندن

موبائل: 0333-2248477

مطابق ۶ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ، ۴ مارچ ۲۰۱۰ء

بشپ پیر مجید صاحب کی مغالطہ آفرینی

محذر قاریٹین گزشتہ صفحات میں آپ بشپ پیر مجید صاحب کے خط کے حوالے سے اس بندہ فقیر کی گزارشات بڑھائے ہیں، جس کے آخر میں، میں نے بشپ پیر مجید صاحب کے مناظرے کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے، اس مناظرے کے لئے ”مرکز تحقیق اسلامی جامعہ اسلامیہ ٹرسٹ“ کا نوٹس لاہور رکھا، گوکہ بشپ مجید صاحب نے مناظرے کا مقام و وقت کے تعین کا اختیار بھی مجھے دیا تھا۔ مگر بغیر اختیار احقر نے پیر مجید صاحب کو یہ بتے ہوئے لکھا ہے کہ پیر مجید صاحب احقر کو مناظرہ کی تاریخ مقررہ ہے آپ ماہ قبل مطلع فرمادیں۔ انشاء اللہ احقر مقررہ وقت پر مقام مناظرے پر پہنچ جاتا ہوں گا۔

چنانچہ میری جانب سے بشپ پیر مجید صاحب کے مناظرے کی دعوت قبولیت کو حضرت مولانا عبدالرزاق فاروقی کے زیر نگرانی نے کہ جب حضرت مولانا آرام اللہ جان صاحب بشپ پیر مجید صاحب کے پاس مردان مناظرے کے دیگر امور طے کرنے کیلئے پہنچے ہیں تو مولانا اگر آرام اللہ جان صاحب کی بشپ پیر مجید صاحب سے مذاقات پر بقول بشپ پیر مجید صاحب حلوم ہو آکر یہ خط انہوں نے نہیں بلکہ ان کے والد مجید صاحب نے تحریر کیا تھا اور اب ان کا انتقال ہو گیا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ بشپ پیر مجید صاحب کا یہ کہنا کہ اس خط کے لکھنے والے موصوف خود نہیں بلکہ ان کے والد ہیں۔ چند وجوہات کی بنا پر غلط ہے اول یہ کہ اگر یہ خط ان کے والد مجید صاحب نے لکھا تو چرچ آف پاکستان پشاور ڈائیس امر دان کے نمبر رہے ہیں اور مجید صاحب کے نام سے معروف تھے، نے لکھا تھا تو اس خط پر بیٹے پیر مجید صاحب کا نام کیوں درج ہے، نام صرف نام درج ہے بلکہ بیٹے پیر مجید صاحب کی میل ایڈریس اور ویب سائٹ بھی موجود ہے اور اس ویب سائٹ پر درج کریں تو 35 سالہ پیر مجید صاحب چرچ کی مختلف تقریرات میں مصروف عمل نظر آتے ہیں۔

مگر حقیقت حال یہ ہے کہ پیر مجید صاحب اپنے حلقہ میں ایک ممتاز شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ اس توہین آمیز خط سے دست کش ہوا چاہتے ہیں۔ اور اس خط کو اپنے والد انجمنانی مجید پاپے کے کہاتے میں ڈال کر مناظرے سے راہ فرار چاہتے ہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو بشپ پیر مجید صاحب میرے موہیل 0333 2248477 پر مجھ سے رابطہ کریں تاکہ حق اور سچ میدان مناظرہ میں دنیا کے سامنے آجائے۔

اور اگر واقعتاً بشپ پیر مجید صاحب میدان مناظرہ میں تشریف نہیں لانے چاہتے تو ایک بات ان کی خیمہ خواہی کے لئے عرض کرنا چاہتا ہوں، اور وہ یہ کہ حیات انسانی پر وقت بہت تھوڑا ہے اور فی الوقت جو جان حیات ہے اس کے لئے مہلت ہے۔ ہر لحاظ مستقیم پر آنے کی، اور یہ مہلت بہت جلد انسان کی قیامت صغریٰ کے ساتھ ختم ہو کر پھر جلد قیامت کبریٰ کے ساتھ ایک نئی حیات لے کر اللہ تعالیٰ کے سامنے سوال و جواب کے لئے کھڑی ہو جائیگی، جہاں دو باتوں پر جان خلاصی پائے گی۔
 اول: اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اور دوم: آقا دو جہاں احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ایمان کی وجہ سے۔
 وَمَسَاوِفِیْ رِیْضَہٗ بِاللّٰہِ

خالد محمود سابق یوہل کنن

۲۶ شعبان ۱۴۳۱ھ
 ۶ اگست ۲۰۱۰ء

مولف کی دیگر کتب

”انجیل برناباس“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری حضرت برناباس کی انجیل ہے جس میں احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد مبارک کی بشارات اور توحید باری تعالیٰ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فکر انگیز تعلیمات و اشادات موجود ہیں۔ نو مسلم خالد محمود نے انجیل برناباس کے سلاطین کے ارد و نسخہ پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اور انجیل برناباس کی تاریخی اور انسانی حیثیت پر شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب ک حقائق پر مبنی تحریر ”نو مسلم خالد محمود کی شکل میں اس کتاب کے شروع میں جمع کیا ہے۔

”اسلام عیسائیت اور مسیحیت علیہ السلام“

عیسائیوں کے مبشر پادری مسیحین تاجہ کی طرف سے نو مسلم خالد محمود کو ایک عامیانہ اور موقیانہ لکھے گئے خط کے جواب میں دلائل سے لکھی گئی ایک دعوتِ حق، جس میں نو مسلم خالد محمود کے قبول اسلام کے حالات بھی درج ہیں۔

”تحفہ نصرائیت“

دین اسلام سے پھر جاننے والے مرتد ”مبشر صدیق پال“ کی کتاب ”عیسائیت اور مسیحیت تحقیق کی نظر میں“ کے جواب میں نو مسلم خالد محمود کی تحریر ”تحفہ نصرائیت“ جو مرتد مبشر صدیق پال کی تمام مغالطہ افزونیوں کا کافی جواب ہے۔

وَالسَّلَامُ
عَلَيْهِ
صَلَّى اللّٰهُ

فَارِ قَاطِط

مردان لوتھرن چرچ کے بشپ پیٹر مجید کے توہین آمیز
خط کا جواب نوشہرہ خالد محمود (سابق یوٹیل کنڈن) کے قلم سے

مردقہ:
جناب خالد محمود صاحب
(سابق یوٹیل کنڈن)



وَالسَّلَامُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَارِیڈ

مردان یوتھرن چرچ کے بشپ پیٹر سچید کے توہین آمیز
خط کا جواب نو مسلم خالد محمود (سابق یونسل کنڈن) کے قلم سے

مردتبه :

جناب خالد محمود صاحب

(سابق یونسل کنڈن)



منحمنہ

آرامی زبان میں اصل لفظ جو حضرت عیسیٰ نے اپنے بعد میں آنے والے جہانوں کے سردار کیلئے استعمال کیا تھا، جسے سن کو یوحنا نبی نے اسے اپنی انجیل، انجیل یوحنا میں نقل کیا ”منحمنہ“ ہے جس کا لغوی ترجمہ عربی میں ”محمد ﷺ“ اور ”احمد ﷺ“ ہے اور یونانی میں ”فرقلیطس“ (Periclytos) ہے۔ جس کے تلفظ کا فائدہ اٹھا کر مذہبی تعصب نے اس میں معمولی سے تحریف کے ساتھ اس کو (Paracletus) بنادیا جو ایک کثیر المعنی لفظ ہے۔ جو رب کے حضور دعا کرنے والے، کے علاوہ ”نذیر“ ”مددگار“ اور تسکین بخشنے والا کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

۴۱۱ء میں رسول اور قانون دہین رسالت“ محمد ﷺ کا نسل قریشی ہیم ایذا دیت پر نامور استانی مشغوم ۵۹

فاش شد

مکتبہ سعد بن ابی وقاص کراچی